احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

ستمبر 2015ء

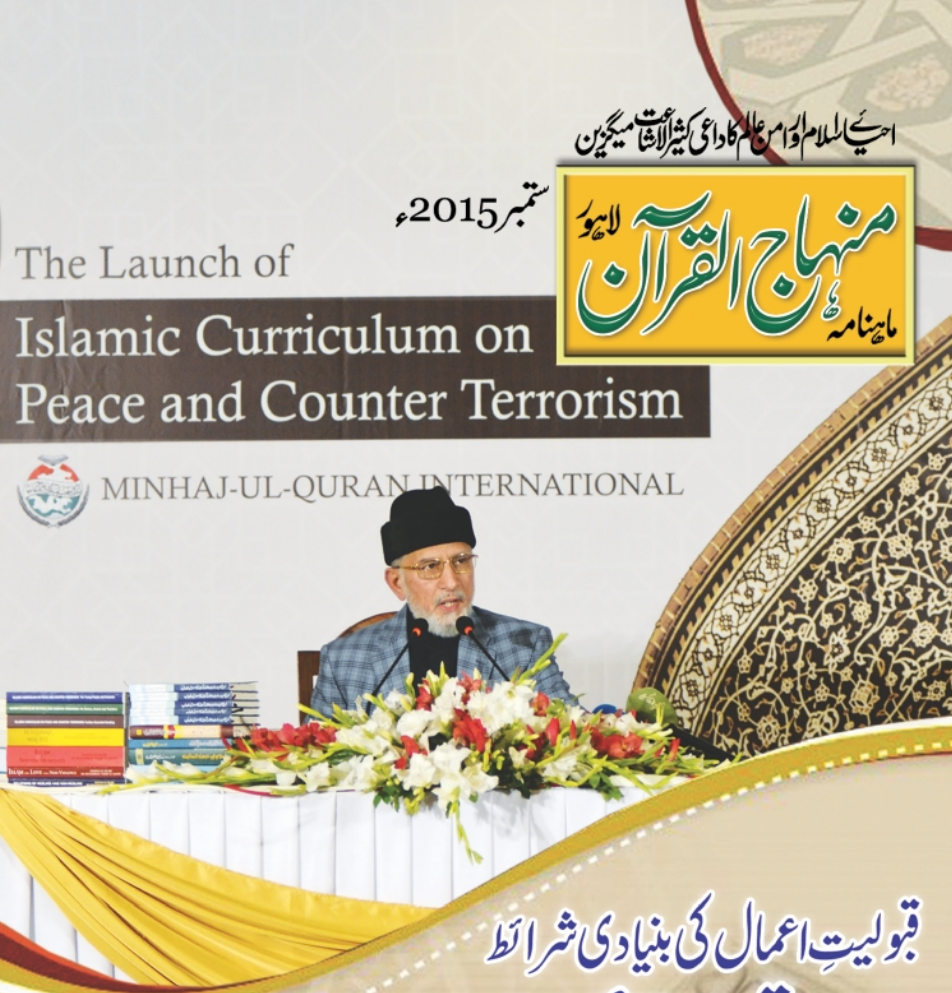

قبولیتِ اعمال کی بنیادی شرائط

صدق و اخلاص

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

بامقصد نظامِ تعلیم ---- وقت کی ضرورت

فلسفۂ حج و قربانی

فروغ امن اور انسداد دہشت گردی کے اسلامی نصاب کی اسلام آباد میں تقریب رونمائی

منہاج القرآن علماء کونسل اور منہاجینز کے زیر اہتمام

نصاب امن علماء کنونشن

احیائے اسلام و امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

جلد 29 شمارہ 9 / ذوالقعدۃ / ذوالحجہ ۱۴۳۶ھ / ستمبر 2015ء

بفیضان نظر

قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

www.facebook.com/minhajulquran

www.minhaj.info mqmujallah@gmail.com

حسن ترتیب

اداریہ۔ فروغِ امن اور انسدادِ دہشت گردی کا اسلامی نصاب		5
(القرآن) قبولیتِ اعمال کی بنیادی شرائط۔ صدق واخلاص	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	7
فلسفۂ حج و قربانی	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	15
اسلام میں معذوروں کے حقوق	محمد سلیم اختر	23
مؤثر دعوت دین کے بنیادی تصورات	ڈاکٹر نعیم مشتاق	30
با مقصد نظامِ تعلیم۔۔۔ وقت کی ضرورت	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	35
شیخ الاسلام کے مرتب کردہ امن نصاب کی اسلام آباد میں تقریب رونمائی		42
صلاحیتوں کی تجدید	شفاقت علی شیخ	48
نصاب امن علماء کنونشن		54
کانووکیشن منہاج یونیورسٹی		56
حضرت فرید ملت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی تقریب		58

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر علی اکبر قادری الازہری

ایڈیٹر
محمد یوسف

اسسٹنٹ ایڈیٹر
محمد شعیب بزمی

مجلس مشاورت
صاحبزادہ فیض الرحمٰن درانی، خرم نواز گنڈاپور
ڈاکٹر رحیق احمد عباسی، شیخ زاہد فیاض
جی ایم ملک، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، قاضی فیض الاسلام، فرح ناز

مجلس ادارت
علامہ محمد معراج الاسلام، مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی
پروفیسر محمد نصر اللہ معینی، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم
گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری
عکاسی: محمود الاسلام قاضی

قیمت فی شمارہ: 25 روپے
سالانہ زرتعاون: 250 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ

اکاؤنٹ نمبر 01970014575103 حبیب بینک منہاج القرآن برانچ ماڈل ٹاؤن لاہور پاکستان

فون: UAN: 111-140-140 فیکس: 35168184

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور

حمد باری تعالیٰ

الٰہی ! سجدہ ریزی پر ہے آمادہ اَنا میری
حضوری کے شرف سے ہو مشرف التجا میری

مرے کھیتوں کی ہریالی پہ شب خون پڑنے والا ہے
کہاں ڈر کر چھپی ہے، یا خدا، کالی گھٹا میری

بدن میرے پہ کتنی ہی خراشیں ہیں تمدن کی
مرے ہاتھوں پہ رکھ دے، چارہ گر، خاکِ شفا مری

مرے باہر کا موسم با وضو رہنے لگا اب تو
رہے ہر وقت سجدے ہی میں اندر کی فضا میری

نکما ہی سہی لیکن وفادارِ مدینہ ہوں
مرے اعمال نامے میں لکھی جائے وفا میری

فریموں میں تھے کب اتنے زیادہ خارشی چہرے
کتابِ زندگی اتنی بھی کب تھی ناروا میری

جنہیں خُلدِ مدینہ کے لئے اُس نے بنایا ہے
وہی موسم ہیں سب میرے، وہی آب و ہوا میری

یقیناً ایک دن حالات بدلیں گے مرے گھر کے
سنے گا مرسلِ آخرؐ کے صدقے میں خدا، میری

ریاضؔ بے نوا کو سبز چھینٹوں کی ضرورت ہے
مرے ہونٹوں پہ سوکھی جارہی ہے اب دعا میری

﴿ ریاض حسین چودھری ﴾

نعت بحضور سرورِ کونین ﷺ

ہم پہ ہو تیری رحمت جم جم! صلی اللہ علیک وسلم
تیرے ثنا خواں عالم عالم! صلی اللہ علیک وسلم

ہم ہیں تیرے نام لیوا اے دھرتی کے پانی دیوا
یہ دھرتی ہے برہم برہم! صلی اللہ علیک وسلم

تیری رسالت عالم عالم تیری نبوت خاتم خاتم
تیری جلالت پرچم پرچم! صلی اللہ علیک وسلم

دیکھ تیری امت کی نبضیں ڈوب چکی ہیں ڈوب رہی ہیں
دھیرے دھیرے مدہم مدہم! صلی اللہ علیک وسلم

دیکھ صدف سے موتی ٹپکے دیکھ حیاء کے ساغر چھلکے
سب کی آنکھیں پُرنم پُرنم! صلی اللہ علیک وسلم

قریہ قریہ بستی بستی دیکھ مجھے میں دیکھ رہا ہوں
نوحہ، نوحہ، ماتم ماتم! صلی اللہ علیک وسلم

اے آقاؐ اے سب کے آقاؐ ارض و سماء ہیں زخمی زخمی
ان زخموں پہ مرہم مرہم! صلی اللہ علیک وسلم

﴿ شورش کاشمیری ﴾

فروغِ امن اور انسدادِ دہشت گردی کا اسلامی نصاب

عالم اسلام، عالم مغرب اور بالخصوص پاکستان میں کئی عشروں سے جاری دہشت گردی نے عوام و خواص کو شدید کرب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ دہشت گردی کی حالیہ لہر کسی ایک ملک کا یا کسی ایک مذہب کا مسئلہ نہیں رہا بلکہ یہ عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ اس کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ دہشت گردوں کی اکثریت ان کاروائیوں کو جہاد جیسے مقدس ٹائٹل کے ساتھ جوڑ رہی ہے۔ عالمی استعمار کی ریاستی دہشت گرد کاروائیوں کا بہانہ بنا کر یہ جماعتیں اور افراد اِعلاے کلمۃ اللہ کا نعرہ بلند کرتے ہیں اور قرآنی آیات، اَحادیثِ نبویہ اور فقہی عبارات کو سیاق و سباق سے کاٹ کر اِسلامی مصادر سے ناآشنا سادہ لوح مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں کی برین واشنگ کرتے ہیں۔ نتیجتاً یہ متاثرہ لوگ عالمی سطح پر جہاد کے نام پر احترامِ اِنسانیت اور تکریمِ آدمیت کو پامال کرتے ہوئے اپنی جملہ دہشت گردانہ کارروائیوں کو خود ساختہ اسلامی تصورات و نظریات کا لبادہ پہنا کر انہیں جائز قرار دیتے ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ پاکستان کو اس ساری پریشان کن صورت حال کا مرکز سمجھا جا رہا ہے۔

ان حالات میں ضرورت اس امر کی تھی کہ ایک طرف دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کرتے ہوئے ان کا قلع قمع کیا جائے اور دوسری طرف معاشرے میں امن کے فروغ اور انتہا پسندانہ و دہشت گردانہ رویوں کی بیخ کنی کے لئے ہر طبقہ زندگی کو اسلام کی حقیقی تعلیمات پر مبنی علمی و فکری مواد فراہم کیا جائے تاکہ معاشرہ سے تنگ نظری و انتہا پسندی کے رجحانات کا نظریاتی طور پر خاتمہ ممکن ہوسکے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ عالمی سطح پر دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے اثرات و خطرات کی وجہ سے علمی و فکری بنیاد پر اس کا قلع قمع کرنے کے لیے کوئی ادارہ، ریاست یا یونی ورسٹی آگے بڑھتی اور قیامِ اَمن اور اِنسداد دہشت گردی و انتہا پسندی کو ایک science، subject اور curriculum کے طور پر متعارف کرواتی مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔

چنانچہ ایک مرتبہ پھر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اِس اہم عصری اور فکری ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے ''فروغ امن اور انسداد دہشت گردی'' کے لئے اسلامی نصاب امت مسلمہ کو عطا کیا۔ یہ نصاب اولاً لندن میں پریس کانفرنس کے ذریعے عالمی سطح پر پیش کیا گیا۔ یورپ بھر میں اس اقدام کو بے حد سراہا گیا اور اسے انسانیت کی ایک عظیم خدمت قرار دیا گیا۔ ثانیاً گذشتہ ماہ اسلام آباد میں منعقدہ سیمینار میں اس نصاب کی تقریب رونمائی ہوئی (اس کی تفصیلات شمارہ ہذا کے اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرمائیں) تحریک کی طرف سے یہ کارنامہ نہ صرف اُمتِ مسلمہ بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک عدیم النظیر اور فقید المثال تحفہ ہے۔ یہ نصاب کالجز، یونی ورسٹیز اور دیگر تعلیمی اِداروں کے طلبہ و طالبات اور نوجوانوں کے ساتھ ساتھ ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ وہ اِنتہا پسندانہ فکر سے متاثر ہونے کے بجائے اِسلام کے تصورِ اَمن و سلامتی سے رُوشناس ہوکر معاشرے کے ذِمہ دار اور کارآمد اَفراد بن سکیں۔ شیخ الاسلام اور تحریک منہاج القرآن نے اپنا یہ فریضہ احسن طریقہ سے ادا کر دیا۔ اب ملک و ملت کے ہر ذی شعور شخص، ذمہ دار ادارے اور مسلمان حکومتوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس اسلامی نصاب کو شامل نصاب کرکے عالم انسانیت کو اس کرب سے نکالنے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ اب میڈیا اور حکومتی اداروں کا امتحان ہے کہ وہ اس سے ملکی سلامتی اور ملی ضروریات کو

کس طرح پورا کرنے میں استفادہ کرتے ہیں۔

حکومت انتہا پسندی کے چیلنج سے نمٹنے کی بجائے سیاسی تماشوں میں مصروف ہے۔ موجودہ اور سابقہ حکومتوں نے دہشتگردی کے فتنہ بارے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا۔ فوجی آپریشن دہشتگردی کے خاتمہ کی طرف پہلا ٹھوس قدم ہے۔ اصل معرکہ ضربِ علم وشعور کا آغاز اور ہر طرح کی ناانصافی کو جڑ سے ختم کرنا ہے۔ اگر سیاسی سطح پر یہ مقاصد حاصل نہ کیے گئے تو فوجی آپریشن کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کامیابیاں عارضی ثابت ہونگی۔ فروغ امن کا نصاب اپنی نوعیت کی ایک منفرد عالم گیر تحقیقی اور علمی کاوش ہے۔ دہشتگردی کو ختم کرنے کے نعرے اور دعوے اپنی جگہ مگر دہشتگردی کے فتنہ سے نمٹنے کیلئے حکومتی سطح پر جن ٹھوس اقدامات کی ضرورت تھی وہ نہیں اٹھائے گئے۔ اس نصاب سے یہ خلاء پر کرنے میں مدد ملے گی۔

☆ پاکستان اپنی تاریخ کے سنگین ترین بحرانوں سے دو چار ہے مگر پارلیمنٹ میں استعفیٰ استعفیٰ کا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ مظلوم عوام پارلیمنٹ کی طرف دیکھ رہے ہیں اور پارلیمنٹ اپنے اراکین کے مسائل حل کرنے کے بھی قابل نہیں ہے۔ ملک اور قوم کی بدقسمتی ہے کہ بحران اور نااہل حکمران ایک ساتھ مسلط ہیں۔ پاکستان آج سیلاب کے پانی اور لوڈشیڈنگ کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے۔ حکمران جتنا پیسہ جعلی منصوبوں اور تشہیری مہم پر خرچ کررہے ہیں اگر اتنا پیسہ سستی بجلی کے ہائیڈل منصوبوں پر خرچ کرتے تو قوم 16,16 گھنٹے کی لوڈشیڈنگ سے نجات پا چکی ہوتی۔

قصور سکینڈل ملکی تاریخ کا بدترین اور شرمناک واقعہ ہے۔ پولیس اور حکومتی سرپرستی کے بغیر کوئی یہ جرم نہیں کرسکتا۔ ظلم کے خلاف بولنے والوں پر پولیس گولیاں اور لاٹھیاں برسا کر انہیں خوفزدہ کرتی ہے۔ وزیراعلیٰ جوڈیشل کمیشن بنانے کے اعلانات کر کے اصل ملزموں کو بچانے کا وقت حاصل کرتے ہیں۔ وزیراعلیٰ کوئی نیا کمیشن تشکیل دینے سے پہلے سانحہ ماڈل ٹاؤن پر بننے والے کمیشن کی رپورٹ شائع کریں اور قوم کو بتائیں کہ ایک سال سے اس رپورٹ کو کیوں چھپا کر رکھا گیا ہے؟ آٹھ سال میں بدترین سکینڈل آئے اور ہر سکینڈل کے پیچھے پولیس اور حکمران جماعت کے اراکین کا گھناؤنا کردار نظر آیا مگر کسی ایک میں بھی ملزمان کو سزا دینا دور کی بات فیئر ٹرائل بھی نہیں ہونے دیا گیا۔ سانحہ سمبڑیال، سانحہ جوزف کالونی، سانحہ کوٹ رادھا کشن، 2010ء اور 2014ء کا سیلاب، سانحہ ماڈل ٹاؤن ان تمام سانحات میں پنجاب پولیس اور پنجاب کے حکمرانوں کا کردار نظر آیا مگر کسی ایک کو بھی سزا نہیں ہونے دی گئی۔

سانحہ ماڈل ٹاؤن اور قصور سانحہ سے ثابت ہو گیا کہ سوسائٹی کے کمزور طبقات کا کوئی پرسان حال نہیں اور کوئی ادارہ ان کے آنسو پونچھنے والا نہیں۔ قوم کے بچوں، بچیوں کو تعلیم اور تحفظ نہ دے سکنے والے حکمران کس منہ کے ساتھ اقتدار سے چمٹے ہوئے ہیں اور قوم ان کرپٹ حکمرانوں کی غلامی میں کب تک سسکتی رہے گی؟۔

حقیقی آزادی کیلئے ظلم پر مبنی نظام کا خاتمہ ناگزیر ہے، آج سے ایک سال قبل حکومتی مظالم کا شکار عوام نے کرپشن میں لتھڑے ہوئے نظام سے جان چھڑانے کیلئے انقلاب مارچ کیا اور دھرنا دیا، ہماری جدوجہد جاری ہے آئندہ بھی آئین کی بالادستی اور عوام کو بااختیار بنانے کیلئے کسی جانی و مالی قربانی سے دریغ نہیں کرینگے، ہمارے کارکنوں نے ظلم و استحصال سے پاک پاکستان کیلئے شہادتیں قبول کر کے تحریک پاکستان کی یادوں کو تازہ کیا۔ جہالت، غربت، دہشت گردی اور کرپشن کے خلاف جہاد جاری رہے گا اور ہر غریب اور باصلاحیت پاکستانی کو اس کے آئینی و قانونی حقوق دلوانے کے لئے ہماری جدوجہد جاری رہے گی۔

قبولیتِ اعمال کی بنیادی شرائط: صدق و اخلاص

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا خصوصی خطاب

مرتّب: محمد یوسف منہاجین / معاون: محمد خلیق عامر

گذشتہ سے پیوستہ

تقویٰ کا معنیٰ پرہیزگاری ہے یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے اُن سے رکنا۔ تقویٰ کا ایک اپنا دائرہ ہے مگر قرآن مجید میں بعض مقامات پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخلاصِ نیت کے لیے بھی لفظِ تقویٰ کو استعمال فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ. (الحج، ۲۲: ۳۷)

''ہرگز نہ (تو) اللہ کو ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے''۔

عام دنوں میں کیا گیا ذبح اور وہ ذبح جسے قربانی کہتے ہیں، ان دونوں کے درمیان اخلاص اور نیت ہی کا فرق کارفرما ہے۔ قربانی کے گوشت کے لیے حکم ہے کہ اس کے تین حصے کریں:

۱۔ اپنے لئے ۲۔ اعزء و اقارب کے لئے

۳۔ غرباء، یتامیٰ اور مساکین کے لئے

شریعت نے مزید گنجائش بھی دی کہ اگر آپ کے اپنے اہل خانہ زیادہ ہیں تو دو حصے بھی خود رکھ سکتے ہیں، ایک حصہ اعزاء و اقارب اور غرباء میں دے دیں۔ اس کے بعد پھر مزید گنجائش بھی دی کہ اگر فیملی زیادہ بڑی ہے اور دو حصوں سے بھی گزارا نہیں ہوتا تو سارا کا سارا گوشت بھی رکھ لیں، قربانی تب بھی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ قربانی اللہ تعالیٰ کیلئے ہے، اس کا مطلب گوشت کی تقسیم نہیں ہے۔

آقا علیہ السلام نے ایک دفعہ قربانی کے موقع پر حکم فرمایا کہ خبردار! کوئی شخص تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت اپنے پاس جمع نہ کرے۔ صحابہ کرام نے ایسے ہی کیا۔ جتنا کھایا جا سکا کھا لیا، بقیہ تقسیم کر دیا۔ اگلا سال آیا، صحابہ کرام نے پھر یہی کیا، اپنے پاس بچا کر نہ رکھا، جو کھایا جاسکا کھایا بقیہ تقسیم کردیا۔ تیسرے سال قربانی کے موقع پر آقا علیہ السلام نے فرمایا: کلوا وادخروا.

(ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۲۵۳، رقم: ۵۹۲۹)

''اس سال کھاؤ بھی اور بچاؤ بھی''۔

پچھلے سالوں میں لوگوں میں قحط سالی و پریشان حالی تھی، کئی لوگوں کے گھروں میں کھانے کو کچھ نہیں تھا اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تقسیم کر دو، تین دن سے زیادہ کوئی جمع نہ کرے۔ تیسرے سال چونکہ خوشحالی آ گئی تھی، لہٰذا اب وہ حکم اٹھا لیا گیا اور تین دن سے زائد رکھنے کی بھی اجازت مرحمت فرما دی۔

قربانی کیا ہے؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر گوشت کی تقسیم قربانی

☆ خطاب نمبر: Fc-76، تاریخ: 11 جولائی 2009ء، بمقام: ناروے

نہیں تو پھر قربانی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ. (الحج، ۲۲ : ۳۷)

’’ہرگز نہ (تو) اللہ کو ان (قربانیوں) کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون مگر اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے‘‘۔

گوشت پیٹ میں چلا جاتا ہے اور خون زمین پر بہہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ گوشت پہنچتے ہیں نہ خون پہنچتا ہے بلکہ ذبح کرتے ہوئے جو نیت تھی کہ ’’باری تعالیٰ تیری خاطر ذبح کر رہا ہوں‘‘ پس وہی نیت اللہ تعالیٰ کو پہنچتی ہے۔ اسی نیت نے اس بکرے کے ذبح کو قربانی بنا دیا۔ عام دنوں میں بھی بکرے ذبح ہوتے ہیں مگر وہ قربانی نہیں کہلاتے، اس لئے کہ نیت گوشت کو بیچنا اور کاروبار کرنا ہے۔ اِسی قصاب نے معاوضہ لے کر یہ بکرا بھی ذبح کیا اور ذبح کرنے والے نے کہا باری تعالیٰ یہ میں تیرے لیے قربان کر رہا ہوں۔ پس اس نیت نے اسے قربانی بنا دیا حالانکہ نیت دکھائی نہیں دیتی۔ معلوم ہوا جو چیز دکھائی نہیں دیتی وہی اصل ہے اور جو دکھائی دیتا ہے وہ اس کے لوازمات ہیں، اصل نہیں۔ اِس نیت کے اخلاص کو اللہ نے تقویٰ کا عنوان دیا۔

تقویٰ کتنی جلدی اللہ کی بارگاہ میں پہنچتا ہے؟ آقا علیہ السلام نے فرمایا: جب تم چھری چلاتے ہو تو خون کا پہلا قطرہ زمین پر بعد میں گرتا ہے مگر اخلاص اللہ کے حضور پہلے پہنچ جاتا ہے۔ اخلاص کی رفتار اتنی تیز ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں ایک شٹل کو بھی چاند/خلاء/کسی سیارے پر بھیجنا ہو تو وہ بھی وقت لیتا ہے جبکہ اخلاص ایک ایسی سواری ہے کہ خون کا قطرہ ابھی زمین پر نہیں گرتا مگر اخلاص اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

تقویٰ اور اخلاص کی جتنی رفتار تیز ہے، اتنا ہی اس کا اثر تیز ہے۔ جس میں اخلاص جتنا زیادہ ہو گا اتنی تاثیر زیادہ ہو گی۔ اللہ پاک عمل کو نہیں دیکھتا بلکہ ہماری نیات دیکھتا ہے۔ ہماری نظر اس شے پر ہے جو نظر آتی ہے جبکہ اللہ کی نظر اس شے پر ہے جو نظر نہیں آتی۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ.

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، ۴: ۱۹۸۷، رقم: ۲۵۶۴)

’’اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا، البتہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے‘‘۔

نیت اعلیٰ و مقبول کیسے ہو گی؟

ذہن نشین رہے کہ اعمال کی کثرت سے نیت مقبول و اعلیٰ نہیں ہوتی بلکہ نیت، اخلاص کے ساتھ اعلیٰ بنتی ہے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ

الاخلاص سرّ بین العبد و بین الله.

’’اخلاص اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ایک راز ہے‘‘۔ (قرطبی، تفسیر، ۲:۱۴۶)

اخلاص اگر اعلیٰ ہو تو قلیل عمل بھی کثیر بن جاتا ہے اور اگر اخلاص کم تر و کمزور ہو تو کثیر عمل بھی قلیل بن جاتا ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ.

’’مومن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہوتی ہے۔ (طبرانی، المعجم الکبیر، ۶/۱۸۵، رقم:۵۹۴۲)

عمل *quantity* کا نام ہے اور نیت *quality* کا نام ہے۔ عمل مقدار کا نام ہے اور اخلاص معیار کا نام ہے۔ اعلیٰ نیت، حسین نیت اور اخلاص کامل کے ساتھ اعلیٰ معیار کے دو نفل، ریاء و دکھلاوے کے ہزار نفل سے بہتر ہیں۔ آقا علیہ السلام نے ایک مرتبہ صحابہ کرام اور ان کے بعد کے زمانے کے لوگوں کے اعمال اور اجروں کا موازنہ کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي. فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ.

''میرے صحابہ کو برا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کردے تو پھر بھی وہ ان میں سے کسی ایک کے سیر بھر یا اس سے آدھے کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔'' (صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، ۳/۱۳۴۳، الرقم: ۳۴۷۰)

آقا علیہ السلام نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے حد درجہ انفاق کو دیکھتے ہوئے پوچھا:

يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟

''اے ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو''؟

اب اُن کا جو جواب تھا وہ بنائے اخلاص ہے۔

عرض کیا: أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللهَ وَرَسُوْلَهُ.

''میں ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول ﷺ چھوڑ آیا ہوں''۔

(ترمذی، السنن، باب: فی مناقب أبي بکر وعمر رضی الله عنهما، ۶: ۶۱۴، رقم: ۳۶۷۵)

توکل، یقین اور اخلاص تینوں مضمون سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے اس ایک جملے میں موجود ہیں۔ اس عظیم بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل امین کو بھیج دیا، انہوں نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ رب العزت نے ابوبکرؓ کو سلام بھیجا ہے اور پیغام دیا ہے کہ ابوبکر سے پوچھیں: هل أنت عن ربك راض؟

''کیا اپنے رب سے آپ راضی ہو''؟

بغیر اخلاص سے عمل کرنے والے کو فکر ہوتی ہے کہ آیا اللہ مجھ سے راضی ہوا یا نہیں؟ جن کا اخلاص طاقتور نہ ہو اس کی فکر یہ ہے کہ معلوم نہیں اللہ نے قبول کیا یا نہیں؟ مگر جس نے اخلاص کے کمال کے ساتھ عمل کیا، اس سے اللہ پوچھتا ہے کہ ابوبکرؓ اس حد درجہ تک ایثار و قربانی کے بعد تم مجھ سے راضی بھی ہو یا نہیں؟ کیونکہ گھر کھانے، پینے اور پہننے کے لیے کچھ نہیں بچا، کہیں ایسا نہ ہو کہ طبیعت پر بوجھ ہو؟

سیدنا صدیق اکبرؓ اس پیغام کو سن کر عالم وجد میں کھڑے ہوگئے، تین چکر لگائے اور کہتے جاتے تھے:

أنا عن ربي راض. (اصفہانی، حلیۃ الاولیاء، ۷:۱۰۵)

''میں اپنے رب سے راضی ہوں''۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایک ایک لفظ میں کمالِ اخلاص، کمالِ یقین، کمالِ محبت اور کمالِ تعلق کا اظہار نمایاں ہے۔

اخلاص کیا ہے؟

اخلاص اس کیفیت کا نام ہے جس میں بندہ جو کرتا ہے اللہ کی محبت، رضا، قرب جوئی، دیدار اور حکم کی تعمیل کے لیے کرتا ہے، اس کے سوا کوئی شے اُس کی نیت و خیال میں داخل نہیں ہوتی۔ یہ اخلاص تھوڑے عمل کے پیچھے بھی ہو تو اُسے بھی بڑا اور طاقتور بنا دیتا ہے۔ مقدار اگر چھوٹی تھی لیکن اگر اس کی کوالٹی اعلیٰ تھی تو اس کی طاقت کروڑوں اعمال سے بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے اگر ایک طرف اخلاص میں کمزور دس لاکھ آدمی اللہ سے مانگ رہے ہوں اور دوسری طرف ایک ایسا اللہ کا بندہ جو اخلاص کی نعمت سے مالا مال ہے، اللہ سے دعا کررہا ہو تو فرق نمایاں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ اللہ سے تعلق میں اس ایک بندے کا اخلاص عرشی ہے جبکہ ہمارے جیسے لوگ اعمال کا انبار لیے پھریں، ان کا اخلاص فرشی ہے۔

جتنا اخلاص قوی ہوگا اتنا دلوں کا تقویٰ قوی ہو گا، وہ اتنا جلد اللہ کو پہنچے گا اور جب اللہ کو جلد پہنچے گا تو اللہ کا جواب بھی اتنا ہی جلد آئے گا، قبولیت بھی جلد ہوگی۔

قبولیت کا مطلب یہ کبھی نہ سمجھ لیں کہ جو ہم نے مانگا ہے اسی شکل میں ظہور پذیر ہو جائے، نہیں۔ وہ اللہ پر چھوڑ دیں۔ اخلاص والا کبھی اپنے مانگنے پر انتظار نہیں کرتا۔۔۔ اپنی عبادت پر اجر کا طلبگار نہیں ہوتا۔۔۔ اپنی

دعا پر اس کے نتیجے کے ظہور کا انتظار نہیں کرتا۔۔۔ اخلاص نام ہی اس شے کا ہے کہ عبادت کرے اور عبادت نظر نہ آئے۔۔۔عمل کرے اور عمل نظر ہی نہ آئے۔۔۔ جب عمل نظر ہی نہیں آنا تو اُس نے کون سے اجر کی تمنا و خواہش کرنی ہے۔

مراتبِ اخلاص

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَأَلَ اللّٰهَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللّٰهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلَى فِرَاشِهِ.

(مسلم، الصحیح، کتاب الامارۃ، ۳: ۱۵۱۷، رقم: ۱۹۰۹)

’’اگر کسی شخص نے صدق اور اخلاص کے ساتھ اللہ سے شہادت طلب کی اور اسے شہادت نہ بھی ملی (بخار کے ساتھ گھر میں بستر پہ لیٹے ہوئے وفات ہوگئی) اللہ تعالیٰ اسے بھی شہداء میں شامل کرے گا‘‘۔

بستر کی موت نے اسے صدق و اخلاص کی بناء پر شہداء میں شامل کروادیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ آپ ﷺ کی امت کے لیے میری یہ عطا اور نعمت ہے کہ اگر آپ ﷺ کا امتی کسی نیک عمل کے کرنے کی نیت کرے مگر اُس پر عمل نہ کر سکے، اللہ تعالیٰ عمل نہ کرنے کے باوجود بھی اُس کے نامہ اعمال میں اُس عمل کے کرنے کا ثواب لکھ دیتے ہیں۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، ۵: ۲۳۸۰، رقم: ۶۱۲۶)

گویا اللہ رب العزت نے اُس کے اخلاص کی بھی قدر کی۔ اس نے اخلاص نیت کے ساتھ نیکی کرنے کا جو ارادہ کیا تھا اُس پر بھی اجر لکھ دیا۔ مقامِ غور یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے عمل کیے بغیر محض اخلاص کے ساتھ جو ارادہ کیا تھا اس پر بھی نیکی لکھ دی تو اگر وہ بندہ عمل کر لے تو پھر اس کے اجر وثواب کا عالم کیا ہوگا؟

ارشاد فرمایا:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا.

’’جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے (بطورِ اجر) اس جیسی دس نیکیاں ہیں‘‘۔ (الانعام، ۶: ۱۶۰)

کسی کو کہا کہ اس کے لیے ۷۰ گنا اجر، کسی کے لیے کہا سو گنا اجر، کسی کے لیے کہا ۷۰۰ گنا اجر اور کسی کے لیے بے حد وحساب اجر کا اعلان فرمایا۔

ایک ہی عمل کے اجر پر اتنے درجات کا فرق کہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک اور اس سے بھی بے حد وحساب اجر کی نوید اخلاص نیت کی بناء پر ہے۔ جب بندہ اخلاص کی راہ کو اپنا لیتا ہے تو اس کے دو نفل نامۂ اعمال میں ہزار نفل سے زیادہ بن جاتے ہیں۔

قیامت کے دن جب لوگوں کا نامہ اعمال کھولا جائے گا تو وہ حیران ہو جائیں گے کہ ہم نے تو اتنی نیکیاں نہیں کیں، مگر اتنا اجر کیوں لکھا ہوا ہے؟ جواب آئے گا یہ اجر تیرے اخلاص کی وجہ سے ہے۔ تیرے عمل میں موجود للّٰہیت، اخلاصِ نیت، استحضارِ نیت، اللہ کی محبت کی قوت، اُس کی رضا طلبی کی قوت اور لوجہ اللہ نیت نے تیرے ایک عمل کو عرش تک پہنچا دیا۔

دوسری طرف ایک شخص گناہ کرنے کا ارادہ تو کرتا ہے مگر اللہ کے خوف سے وہ گناہ کرتا نہیں ہے، آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ پاک فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ اس کے لیے ایک نیکی لکھ لو۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہاں بھی اس کا اخلاصِ نیت کام آیا۔ وہ اللہ کے عذاب و ناراضگی سے ڈر گیا اور اللہ کے ڈر کی وجہ سے اُس نے گناہ نہیں کیا۔ پس صدق و اخلاص کی قوت کی بناء پر نیکی کا اجر اسے اللہ سے ڈرنے کی بات پر مل گیا۔ یہ اس کی نیت کا اخلاص تھا کہ اس نے گناہ کا ارادہ کیا مگر عمل نہ کرنے پر نیکی کا مستحق ٹھہرا اور اگر گناہ کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا

جائے گا۔ یہ بھی امت محمدیہ ﷺ پر رحمت کا اظہار ہے۔
(صحیح مسلم، کتاب الایمان، ۱/ ۱۱۷، الرقم: ۱۲۹)

نیت میں اخلاص کا مقام و مرتبہ

ریاء کو جڑ سے نکال دینے کا نام اخلاص ہے۔ نیت میں سے ملاوٹ کو دور کر دینا اخلاص ہے۔ ریاء ایک ایسا لباس ہے جو سب کچھ چھپا دیتا ہے۔ اگر ریا کی سنگینی کا خود ریاکار کو پتہ چل جائے تو بہت سے ریاکار تائب ہو جائیں۔ ریاء امراضِ روحانی میں سے ہے۔ حضرت ابو امامہ الباہلیؓ روایت کرتے ہیں:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: أَرَأَیْتَ رَجُلًا غَزَا یَلْتَمِسُ الْأَجْرَ وَالذِّکْرَ مَالَهُ.

’’ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اگر کوئی شخص لالچ اور طمع کی خاطر یا نام آوری کے لیے جہاد کرے، اس کے لئے کیا حکم ہے‘‘؟

اس کی جہاد سے اجرت لینے کی بھی نیت تھی اور ناموری کی بھی نیت تھی۔ گویا یہ نیت میں ملاوٹ ہوگئی۔ عرفاء نے ترجمہ کیا کہ اس نے جہاد اس لئے کیا کہ اللہ سے اجر ملے گا مگر ساتھ ملاوٹ تھی کہ شہرت و ناموری بھی ملے گی۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

لَا شَيْئَ لَهُ.

’’اسے کوئی ثواب نہ ملے گا‘‘۔

اس لیے کہ نیت میں اخلاص نہیں تھا۔

فَأَعَادَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.

’’اس (سوال کرنے والے) نے تین مرتبہ بار بار دوہرایا‘‘۔

یَقُوْلُ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لَا شَيْئَ لَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا کَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ.

’’حضور نبی اکرم ﷺ نے یہی جواب فرمایا کہ اسے کچھ ثواب نہ ملے گا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لئے ہو اور اُسے کرنے سے محض اللہ کی رضامندی مقصود ہو‘‘۔

(سنن النسائی، کتاب الجهاد، ۶: ۲۵، الرقم: ۳۱۴۰)

جہاں اخلاص کے ساتھ ریاء کی ملاوٹ تھی وہاں وہ اجر سے محروم ہوگیا اور جس نے اخلاص کے ساتھ جہاد کی نیت کی تھی اور شہادت کی طلب کی تھی مگر شہادت نہیں آئی اور بستر پہ لیٹے فوت ہوگیا، آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ شہیدوں میں شمار ہوگا۔ اِدھر اُس نے جہاد بھی کیا حتی کہ شہید بھی ہوگیا مگر دل میں چھپی ہوئی نیت کی وجہ سے ثواب کا حقدار نہ ٹھہرا۔

اسی لئے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إنما الأعمال بالنیات.

(بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، ۱: ۳۰، رقم: ۵۴)

’’اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے‘‘۔

تمام اعمال کی قبولیت کا معیار نیت پر ہے اور نیت کا مدار اخلاص پر ہے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا یَقْبَلُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا کَانَ لَهُ خَالِصًا وَابْتُغِيَ بِهِ وَجْهُهُ.

(نسائی، السنن، کتاب الجهاد، ۶: ۲۵، رقم: ۳۱۴۰)

’’اللہ تعالیٰ صرف وہی عمل قبول فرماتا ہے جو خالص اس کے لیے ہو اور اسے کرنے سے محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی مقصود ہو‘‘۔

آقا علیہ السلام نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا گورنر بنایا۔ رخصتی کے وقت انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایک نصیحت فرمادیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أخلص دینک، یکفک العمل القلیل.

’’اپنے دین کو خالص کرلو۔ (یعنی اپنی نیت کو خالص کرلو) تو تھوڑا سا عمل بھی کافی ہو جائے گا‘‘۔

(حاکم، المستدرک، ۴: ۳۴۱، رقم: ۷۸۴۴)

اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی نیکی کرے یا اللہ کے ساتھ عبادت کا کوئی معاملہ کرے اور اپنے اس عمل کو صرف اللہ کی رضا کے لیے خالص رکھے، باقی ساری نیتوں کو نکال دے، تو اللہ کی عزت کی قسم! اس کو کبھی رنج و ملال اور شکوہ ہی نہ رہے گا۔ اخلاص نیت کے اس مقام و مرتبہ کی بناء پر ہمیشہ یہ ذہن میں رہے کہ عمل بندوں کے لیے نہ کرو بلکہ خدا کے لیے کرو۔ جب عمل خدا کے لئے کیا جائے گا تو پھر ہمیشہ رحمت و برکت ہی شامل حال ہوگی۔

حضرت ثوبانؓ راوی ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

طوبیٰ للمخلصین أولٰئک مصابیح الهدی.

(ابونعیم، حلیة الأولیاء، ۱: ۱۶)

''مبارک ہو اخلاص والوں کو کہ وہ ہدایت کا چراغ ہیں''۔

شرک اور ریاء سے نجات

حضرت فضیل ابن عیاضؒ سے پوچھا گیا کہ ریاء کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

العمل لأجل الناس شرک وترک العمل لأجل الناس ریاءٌ والإخلاص أن یوافیک الله منهما.

(نووی، الاذکار من کلام سید الابرار، ص: ۱۳)

''لوگوں کے لیے عمل کرنا شرک ہے اور لوگوں کے لیے عمل ترک کر دینا ریاء ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ شرک اور ریاء دونوں سے تمہیں چھٹکارا دے دے''۔

اس فرمان سے یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ لوگوں کے لیے عمل کرنا شرک ہے یعنی جب لوگوں کے دکھلاوے کے لیے، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے، لوگوں میں معزز بننے کے لیے عمل کیا تو جو چیز اللہ کے لیے خاص تھی، اس نے وہ بندوں کے لیے کر دی لہذا شرک ہوگیا۔ نیت اللہ کے لیے تھی اس نے بندوں کے لیے کرلی لہذا شرک ہوگیا۔ بندہ نیکی کا عمل کر رہا تھا مگر لوگوں کی خاطر چھوڑ دیا کہ لوگ دیکھ رہے ہیں۔ لوگ کہیں گے بہت نیک ہے، یہ تہجد گزار ہے، نیکوکار ہے، لوگوں کو میری نیکیوں پر آگاہی ہو جائے گی، لہذا اس نے لوگوں کی وجہ سے وہ عمل چھوڑ دیا، لہذا یہ ریاء ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کے لیے عمل چھوڑ دینا کیسے ریاء بنا؟

ایسا کرنا اس لیے ریاء بنا کہ کامل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اخلاص کی شرط ہے کہ جب آدمی عمل کرے تو اس عمل کے دوران نہ اسے اپنا عمل نظر آئے، نہ عامل نظر آئے اور نہ کوئی اور خلق نظر آئے۔ جب عمل کرے تو اُس کی نگاہ سے سب کچھ اوجھل ہو جائے۔ نہ لوگ نظر آئیں، نہ اپنا آپ نظر آئے اور نہ عمل نظر آئے۔ جب ہر شے کی نفی ہو جائے تو کہتے ہیں یہ عمل خالصتاً لوجہ اللہ ہے۔ یعنی دھیان جب اللہ کی طرف ہو جائے تو اُس غلبۂ دھیان میں بندے کو کوئی اور شے نظر نہیں آتی۔ کاملین کا دھیان کبھی ہٹتا ہی نہیں ہے۔ ناقص توجہ سے دھیان ناقص ہو جاتا ہے اور کامل توجہ سے دھیان بھی کامل ہو جاتا ہے حتی کہ اپنا بھی دھیان نہیں رہتا۔ آقا علیہ السلام نے ''احسان'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ کَأَنَّکَ تَرَاهُ.

''تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو''۔

آقا علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ تم اُس کو دیکھ رہے ہو بلکہ فرمایا: **کأنک تراه** اپنے اوپر یہ خیال طاری کرلو کہ گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ یہ کیفیت وارد کر لو۔ تمہاری ایسی کیفیت ہو جائے جیسے دیکھنے والے کی ہوتی ہے۔ جب مشاہدہ کی کیفیت طاری ہوگی تو تم خود کو بھول جاؤ گے۔ جب یہ کیفیت طاری ہو جائے کہ محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہوں تب بھی بہت ساری چیزوں سے دھیان ہٹ جاتا ہے اور اُسی کی طرف انسان متوجہ ہوجاتا ہے۔

طبقہ ملامتیہ، صوفیاء میں ایک طبقہ ہے۔ وہ ریاء کو ختم کرنے اور اخلاص کے حصول کے لیے ظاہری طور پر ایسے اعمال کرتے ہیں جو حقیقت میں خلاف شریعت نہیں ہوتے مگر عام دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ خلاف شرع ہے۔ لوگ انہیں برا بھلا کہتے ہیں اور ان کو چھوڑ دیتے

ہیں۔ وہ اسی لیے ایسا کرتے ہیں تا کہ لوگ انہیں برا بھلا کہیں اور انہیں چھوڑ جائیں، انہیں ملامت کریں۔ اس سے وہ اپنا اخلاص بچاتے ہیں۔ صوفیاء میں یہ اعلیٰ طبقہ نہیں بلکہ ادنیٰ طبقہ ہے۔

حضور داتا گنج بخش علی ہجویریؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ فرقہ ملامتیہ کا ایک صوفی مجھے ملا، میں نے اُس سے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے کہا لوگوں سے جان چھڑانے کے لیے۔ میں نے اُس ملامتی صوفی کو کہا کہ لوگوں سے جان چھڑانی ہے تو خود ہی لوگوں کی جان چھوڑ دو۔ اگر وہ آپ سے عقیدت کرتے ہیں تو آپ ان کو کیوں دیکھتے ہیں؟ خرابی اُن کے دیکھنے سے نہیں بلکہ خرابی آپ کے دیکھنے سے ہے۔ آپ کا دھیان لوگوں کے کہنے پر ہے، رب کو منانے پر نہیں ہے۔ دھیان اگر لوگوں سے کاملاً ہٹ جائے تو پھر آدمی نہ عمل اُن کے لیے کرتا ہے اور نہ ترکِ عمل ان کے لیے کرتا ہے، اُسے کوئی اور نظر ہی نہیں آتا۔ پس شرک اور ریاء دونوں سے نجات مل جائے تو اخلاص ہے۔

مخلص کیسے بنیں؟

ذیل میں اخلاص کی تعریف اور مخلص بننے کے لئے صوفیاء کے چند اقوال درج کئے جارہے ہیں:

☆ امام ابو القاسم القشیریؒ کے شیخ امام ابو علی الدقاقؒ فرماتے ہیں کہ

الاخلاص ترک ملاحظة الخَلق.

’’اپنے اعمال میں مخلوق کے نظر آنے کو ترک کر دینا اخلاص ہے‘‘۔ (نووی، بستان العارفین، ا: ۱۳)

یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں کے لیے عمل کرنا، دکھلاوے کے لیے عمل کرنا ریاء ہے بلکہ فرمایا اپنے اعمال میں مخلوق کے نظر آنے کو ترک کر دینا اخلاص ہے۔ کوئی دکھائی نہ دے اور کوئی سنائی نہ دے۔ پھر کسی کی بات ملال نہیں دیتی۔

☆ حضرت ابو عثمان المغربی فرماتے ہیں:

نسیان رؤیة الخَلق بدّوام النظر إلی الخالق.

’’اگر ہر وقت نظر خالق کی طرف رہے تو رؤیت خَلق کا نسیان ہو جاتا ہے۔ پھر مخلوق نظر نہیں آتی‘‘۔

(ابوالقاسم القشیری، الرسالة القشیریة، ص: ۲۰۹)

☆ امام محمد بن علی الکتانی سے کسی نے عرض کہ وصیت فرمائیے۔ فرمایا:

کن کما تریء الناس إل فأرالناس ما تکون.

(سلمی، طبقات الصوفیة، ص: ۳۷۴)

’’تو حقیقت میں ایسا ہو جا جیسا تو اپنا آپ لوگوں کو دکھاتا ہے اور اگر تو ایسا نہ بن سکے تو پھر تو اپنا آپ لوگوں کو وہی کچھ دکھا جو حقیقت میں ہے‘‘۔

امام اعظمؒ گلی میں سے گزر رہے تھے، راستے میں بچے کھیل رہے تھے، کسی ایک بچے نے دوسرے بچوں کو آواز دی کہ رک جاؤ! اتنی بڑی ہستی گزر رہی ہے کہ جو ہر رات عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتی ہے، ساری رات قیام کرتے ہیں۔ یہ سن کر امام اعظمؒ رو پڑے۔ اس وقت تک وہ عشاء کے وضو سے فجر نہیں پڑھتے تھے۔ اپنا گریبان پکڑ کر کہا کہ تو عشاء سے فجر تک نہیں جاگتا جبکہ لوگ تجھے ایسا سمجھتے ہیں، پھر اپنے آپ کو کہا کہ آج کے بعد رات کو تو نہ سویا کر۔ ایسا ہی بن، جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ اس دن کے بعد چالیس برس حیات رہے اور عشاء کے وضو سے فجر پڑھتے رہے۔

گویا جیسا تو لوگوں کو اپنا آپ دکھاتا ہے ویسا بن جا۔ اگر یہ مشکل کام ہے تو اس عمل کو چھوڑ دے، پھر کم سے کم وہی حال دکھا جو حقیقت میں تیرا ہے۔ جو معمول تیرے اندر ہے وہی باہر بھی دکھا۔ ظاہر و باطن کا دھوکہ نہ کر۔ ظاہر و باطن ایک جیسا ہو جائے تو اسی کو اخلاص کہتے ہیں۔

☆ حضرت مقہول الدمشقیؒ فرماتے ہیں:

ما أخلص عبد قط أربعین یوما إلا ظهرت ینابیع الحکمة من قلب إلی لسانه.

(ابن قیم، مدارج السالکین، ۲: ۶۹)

''اخلاص کے ساتھ جس شخص نے چالیس دن گزار لیے، اُس شخص کے دل میں حکمت کا چشمہ پھوٹ پڑے گا اور وہ اُس کی زبان سے جاری ہوں گے''۔

☆ حضرت ابو یعقوب السوسیؒ نے فرمایا:

متی شھدوا فی اخلاصھم الاخلاص احتاج اخلاصھم إلی اخلاصھم.

''صاحبانِ اخلاص کو اگر اپنے اخلاص میں خود اخلاص نظر آنے لگے تو اُن لوگوں کے اخلاص کو اخلاص کی حاجت ہے''۔ (نووی، بستان العارفین، ۱: ۲۷)

اخلاص کا معنٰی سوائے اللہ کے ہر شے سے خلاصی پا جانا ہے۔ جب اس نے مخلوق کو دیکھنے سے خلاصی پا لی، عمل سے خلاصی پا لی، اپنے آپ کو دیکھنے سے خلاصی پا لی تو تین درجے خلاصی کے حاصل کر گیا۔ اب اخلاص والے کو اپنا اخلاص نظر آ رہا ہے، تو اخلاص کا دکھائی دینا بھی ایک درجے کا ریاء ہے۔ اخلاص کر کے بھی اسے اخلاص نظر نہ آئے۔ اس کی نظر صرف اللہ پر رہے تب اخلاص کامل ہوتا ہے۔ یہ اخص الخواص کا درجہ ہے۔ جب اللہ کے لیے کوئی عمل کریں اس میں کوئی شخص نظر نہ آئے۔ نہ کوئی دکھائی دے نہ سنائی دے، یہی اخلاص ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں صدق و اخلاص کی اس نعمت سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

تحریک منہاج القرآن کی تنظیم نو

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے گذشتہ ماہ مرکزی سطح پر تحریک منہاج القرآن میں ذمہ داریوں کی از سر نو تقسیم فرماتے ہوئے درج ذیل احباب کو ذمہ داریاں تفویض کی ہیں:

۱۔ محترم احمد نواز انجم (نائب ناظم اعلیٰ کوآرڈینیشن): آپ تمام نائب ناظمین اعلیٰ کے مابین کوآرڈینیشن کے ذمہ دار ہوں گے۔ صوبہ بلوچستان کے تنظیمی امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ یوتھ لیگ، MSM اور علماء کونسل کے انتظامی امور کی نگرانی بھی کریں گے اور حسب سابق دادرسی سیل کے سربراہ ہوں گے۔

۲۔ محترم علامہ محمد ادریس رانا (نائب ناظم اعلیٰ): آپ کے ذمہ شمالی پنجاب اور آزاد کشمیر کے تنظیمی امور ہوں گے۔ نیز آپ نظامت دعوت کے امور کے نگران بھی ہوں گے۔

۳۔ محترم سردار شاکر مزاری (نائب ناظم اعلیٰ): آپ کے ذمہ جنوبی پنجاب اور اندرون سندھ کے تنظیمی امور ہوں گے۔

۴۔ محترم محمد رفیق نجم (نائب ناظم اعلیٰ): آپ کے ذمہ سینٹرل پنجاب بشمول لاہور کے تنظیمی امور ہوں گے۔

۵۔ محترم تنویر احمد خان (نائب ناظم اعلیٰ): آپ کے ذمہ سٹوڈنٹس، یوتھ اور خواتین ونگ کے تنظیمی امور ہوں گے۔

۶۔ محترم سید فرحت حسین شاہ (نائب ناظم اعلیٰ): آپ کے ذمہ KPK، ہزارہ ڈویژن، گلگت بلتستان کے تنظیمی امور ہوں گے۔

۷۔ محترم علامہ ارشاد حسین سعیدی (نائب ناظم اعلیٰ دعوت): آپ کے ذمہ سینٹرل پنجاب A کے دعوتی امور ہوں گے۔

۸۔ محترم صاحبزادہ ظہیر احمد نقشبندی (نائب ناظم اعلیٰ دعوت): آپ کے ذمہ سینٹرل پنجاب B و بلوچستان کے دعوتی امور ہوں گے۔

۹۔ محترم علامہ محمد اعجاز ملک (نائب ناظم اعلیٰ دعوت): آپ جنوبی پنجاب اور سندھ کے دعوتی امور کے ذمہ دار ہوں گے۔

☆ شیخ الاسلام نے مرکزی ناظم اعلیٰ تحریک محترم خرم نواز گنڈا پور کو کراچی ڈویژن کی نگرانی بھی تفویض کی ہے۔

☆ محترم محمد شاہد لطیف کو ڈپٹی ڈائریکٹر منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن کی ذمہ داریاں تفویض کی گئی ہیں۔

فلسفۂ حج و قربانی

مفتی عبدالقیوم خاں ہزاروی

اسلامی فلسفہ زندگی اور اسلامی قانون و احکام دنیا کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے جسے اپنا کر دنیا کے تمام غموں سے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے اور صرف آخرت ہی نہیں، اس زندگی کو بھی قابل رشک بنایا جاسکتا ہے۔ قرآن و سنت سے دوری سے صرف مسلمان ہی اس کی خیر و برکت سے محروم نہیں ہوئے بلکہ تمام عالم انسانیت اس چشمۂ حیات کے فیض و برکت سے محروم ہوگئی۔ آج دنیا مختلف علوم و فنون سے فیضیاب ہورہی ہے۔ زمین نے اپنے خزانوں کی کنجیاں نوع انسانی کے سپرد کردیں۔ تحقیق و تفتیش کے نت نئے ذرائع فطرت کے پوشیدہ خزانوں کو بے نقاب کررہے ہیں۔ علوم و فنون کے تنوع نے ترقی کی نئی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ اس تمام ترقی کے باوجود امن عالم کے لئے کی جانے والی تمام کاوشیں اسلامی احکام کی نقالی کرنے کی ناکام کوشش ثابت ہوئیں اور صدیاں گزرنے کے باوجود اصل کی خُو بُو بھی حاصل نہ کرسکیں۔

اسلامی عبادات کی روح۔۔۔قومی نظم

نماز کی فرضیت سے صرف یہ مقصد ہوتا کہ بندے اور رب میں، عبد اور معبود میں ایک روحانی رشتہ قائم رہے جس کا باہر کی دنیا سے کوئی تعلق نہ ہو، تو اس کے لئے نہ مساجد کی ضرورت تھی، نہ اذان کی بلکہ ہر بندہ گھر سے باہر یا گھر کے اندر کسی گوشہ عزلت کا مکین بن جاتا۔ کاروبار، اہل و عیال سے الگ تھلگ اللہ کی عبادت کرتا۔ نہ دکھلاوا اور نہ ریاء کاری کا شائبہ، مگر ایسا نہیں۔ دور اول میں دین کا مرکز مسجد تھی جس میں صرف نماز ہی ادا نہیں کی جاتی تھی بلکہ زکوٰۃ، عشر، مال غنیمت، فئی، جزیہ و خراج سے حاصل ہونے والا مال بھی جمع کیا جاتا تھا۔ یہی بیت المال اور قومی خزانہ تھا۔۔۔ یہیں مقدمات و تنازعات سنے جاتے اور ان کے عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے ہوتے۔۔۔ جرائم اور مجرم کی یہیں تحقیق و شنید ہوتی۔۔۔ صلح و جنگ، حدود و قصاص کے احکام پر عمل درآمد بھی یہیں کیا جاتا۔۔۔ حتی کہ مسجد میں ہی جنگی مہمات کی منصوبہ بندی ہوتی اور یہیں سے فوجوں کی تیاری اور اطراف و اکناف میں روانگی ہوتی۔

اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ نماز کے اوقات مقرر ہوئے۔ اذان کا حکم دیا گیا۔ بستی چھوٹی ہو یا بڑی مگر مسجد کی تعمیر سب سے پہلے۔ یہ مسلم تنظیم کا پہلا یونٹ اور دینی سرگرمیوں کا مرکز قرار پائی۔ جہاں ہر مسلمان عورت و مرد اور بچوں، بچیوں کو دن میں پانچ مرتبہ حاضر ہونا ضروری قرار دیا گیا۔ جہاں دن میں پانچ مرتبہ ایک تنظیم کے ممبر جمع ہوں گے اور ان کا حاکم ان کو نماز کی امامت کروائے گا۔ عوام بلا روک ٹوک اس سے مل سکیں گے، کسی ایجنڈے اور پروگرام کی پیشگی اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں۔ لوگ آپس میں ملاقات کریں گے اور ایک دوسرے کے سکھ دکھ سے آگاہ ہوں گے۔

پھر ایک بڑا حلقہ تشکیل پا گیا جس میں قریب قریب کی کئی مساجد کے نمازی ایک بڑی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جمع ہوتے گئے اور معلومات و بھائی چارے کا حلقہ مزید وسیع ہوتا چلا گیا۔ آگے بڑھیں تو عیدین کی نماز کھلے میدانوں میں بڑے بڑے اجتماعات کی شکل اختیار کرتی چلی گئی۔ عہدِ رسالت و خلافت میں ان تمام نمازوں میں جہاں کوئی بڑا عہدیدار ہوتا وہاں نمازوں کی امامت وہی کرواتا تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ کسی سطح کے بڑے حاکم و عہدیدار کی موجودگی میں کوئی شخص بلا اجازت نماز کی امامت کروائے۔ وہی حکمران، وہی فوجی افسران اور وہی نمازوں میں عوام کے امام ہوتے تھے۔ اور یہ منصبِ امامت عزت وعظمت کی علامت ہوتا تھا۔

حج۔۔ وحدتِ امت کا سرمایہ و ذریعہ

پھر حج کی صورت میں مسلمانوں کا عظیم الشان اجتماع مقرر ہوا تا کہ دور دراز کے مسلمان، عوام وخواص مختلف رنگوں، نسلوں، زبانوں کے بولنے والے، مختلف الانواع تہذیب و ثقافت، تمدن کے حامل مگر ایک دین کے پیروکار اس عالمی اجتماع میں ایک دوسرے سے ملیں۔ باہمی تعارف ہو، ایک دوسرے کے مسائل و مشکلات سے آگاہ ہوں اور یہی ان کا بین الاقوامی مرکز قرار پائے۔ اس سے مسلمانوں میں باہمی رابطے مضبوط ہوں۔۔۔ ان کے حکمران علاقائی مسائل کو زیر بحث لائیں۔۔۔ مظلوم جہاں کہیں ہوں ان کی سیاسی، مالی اور اخلاقی مدد کریں۔۔۔ حوادث، سانحات، قحط، سیلابوں، زلزلوں اور مظالم کا شکار بھائیوں کے مصائب کا ادراک و احساس کریں۔۔۔ ان کے ازالہ کی تدبیریں اور عملی جدوجہد کریں۔۔۔ اپنے قدرتی وسائل کو غیروں کے تسلط سے واگذار کروائیں۔۔۔ ان وسائل پر جن کا حق ہے ان پر خرچ کریں۔۔۔ اپنی معیشت کو مضبوط کریں۔۔۔ اپنے عوام کی تعلیم، صحت، صنعت، حرفت، زراعت کو ترقی دیں۔۔۔ اپنا دفاع، اپنی آزادی، اپنی عزت اور عظمت رفتہ کی بحالی پر اپنے وسائل خرچ کریں۔

قرآن مجید میں کس فصاحت و بلاغت سے یہ بات بتائی گئی اور ان مقاصد کے حصول کا حکم دیا۔ ارشاد ہوا:

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ . (الحج: ۲۸)

''(مسلمان حج کے موقع پر) اپنے فوائد و مفادات حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوں''۔

حضرت صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''دینی بھی، دنیوی بھی، جو اس عبادت (حج) کے ساتھ خاص ہیں۔ دوسری عبادات میں نہیں پائے جاتے''۔

علامہ اقبالؒ نے حج کی کتنی خوبصورت ترجمانی کی ہے:

طاعتے، سرمایۂ جمعیتے
ربطِ اوراق کتاب ملتے

''(حج) اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کی اطاعت ہے، وحدت امت کا سرمایہ و ذریعہ ہے، کتاب ملت کے منتشر اوراق (یعنی افراد امت) کی جلد بندی ہے''۔

اسلامی عبادات کے ثمرات سے محرومی کیوں؟

افسوس صد افسوس کہ ہم غیروں کی غلامی کے شکنجے میں اتنے جکڑے ہوئے ہیں کہ گویا قرآن کریم نے کسی اور کا نہیں ہمارا ہی نقشہ کھینچا ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ صلے لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ز وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ط اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ.

(الاعراف: ۱۷۹)

''اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے جنوں اور انسانوں میں سے بہت سے (افراد) کو پیدا فرمایا وہ دل (و دماغ) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھ نہیں

سکتے اور وہ آنکھیں رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھ نہیں سکتے اور وہ کان (بھی) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سن نہیں سکتے، وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ گمراہ، وہی لوگ ہی غافل ہیں''۔

یہ ہمارا نظام ملوکیت ہے جو سامراج کے نسلی جدی پشتی غلاموں نے ہم پر مسلط کر رکھا ہے۔ یہ اُن کے لئے غلام جبکہ عوام کے لئے بادشاہ بنے بیٹھے ہیں۔ یہ بادشاہی بھی داؤد و سلیمان علیہما الصلاۃ والسلام کی نہیں بلکہ فراعنہ، نمارده اور قیصر و کسریٰ کی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

؎ خود طلسم قیصر و کسریٰ شکست
خود سرِتخت ملوکیت نشست

''مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں سے قیصر و کسری کی شعبدہ بازی پارہ پارہ کی اور خود ہی تخت ملوکیت پر براجمان ہوگئے''۔

آج مسلمانوں پر آمریت، ملوکیت اور جمہوری قباء میں شہنشاہیت کی بدترین شیطانی قوتیں مسلط ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں:

؎ تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

مزید فرماتے ہیں:

؎ دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

☆ اسی نظام ظلم کی حفاظت میں ہمارے ملا و صوفی (الا ماشاء اللہ) بھی کمربستہ ہیں۔ صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام

؎ امتے بر امتے دیگر چرد
دانہ ایں می کاشت، او ر حاصل برد

''ایک طبقہ دوسرے کی فصل چگ رہا ہے۔ یہ دانہ کاشت کرتا ہے، وہ فصل لے جاتا ہے''۔

☆ ملا و صوفی اور بادشاہوں کی طرح ظالم حکمرانوں کے علاوہ ان ظالم حکمرانوں کے خود ساختہ آئین و قوانین بھی مسلمانوں کے عروج و کمال اور عبادات کے ثمرات کے حصول میں بڑی رکاوٹ ہیں۔

؎ حاصل آئین و دستور ملوک
دہ خدایاں فربہ و دہقاں چو دوک

''بادشاہوں کے آئین و دستور کا مقصد و نتیجہ یہ ہے کہ جاگیردار موٹے و شکم سیر ہیں اور ہاری، کسان، مزدور ایسے ہے جیسے چرخے کا تکلا''۔

؎ تاتہہ و بالا نہ گردد ایں نظام
شوکتِ دنیا و دیں سودائے خام

''جب تک یہ ظالمانہ نظام سیاست (ملوکیت) الٹ پلٹ نہ ہوجائے، دنیا و دین اور شوکت و دانش خام خیالی ہے''۔

دور ملوکیت کی یہ شب تاریک جو صدیوں سے ہم پر مسلط ہے جب تک قائم رہے گی، نہ اس امت کی تقدیر بدلے گی اور نہ ظلمت و ظلم کافور ہوگی اور نہ انسانیت غیر عادلانہ شکنجوں سے آزاد ہوگی۔

کیا وہ گھڑیاں لوٹ کر آئیں گی۔۔۔؟

حج ایک ایسی عبادت ہے جس میں اتحاد، یقین اور نظم کے فوائد نہ صرف امت مسلمہ کے لئے بلکہ تمام دنیا کے لئے پنہاں ہیں۔ اس سے یقینِ محکم، عملِ پیہم، محبت فاتح عالم کے انوار کی خیرات بٹتی ہے مگر ہم پر ایسے اندھے و بہرے حکمران اور شیطانی سائے مسلط ہیں، جن سے ہم ان انوار و برکات سے خود ہی محروم ہیں، دوسروں کو کیا دیں گے۔ آج امت کہاں کہاں کس حال میں ہے۔ ہمارے حاکم ہمارے خادم ہیں یا خدام۔۔۔؟ دور و نزدیک سے عوام کی آواز بااختیار لوگوں تک پہنچتی ہے یا راہوں میں ہی بھٹکتی ہے۔۔۔؟ مظلوم کی ہر سطح پر داد رسی ہورہی ہے یا ظالم کو تحفظ اور مظلوم کو دھتکارا جاتا ہے۔۔۔؟ کیا

حکمرانوں اور بااثر طبقات کی زیادتی اور مظلوم کی فریاد کو دیکھا سنا اور موقع پر بدلہ دیا جاتا ہے یا مظلوم کو دھتکار دیا جاتا ہے۔۔۔؟ ناحق قتل و غارت کرنے والوں کو فوراً سرعام سزا ملتی ہے یا شیطانی آنت کی طرح عمر بھر کے لئے انکوائری کمیٹیاں ہی بنتی رہتی ہیں۔۔۔؟

ذرا چشم تصور میں دور اول کی برکات لے کر آئیں۔ جب ہر ذی استطاعت مسلمان اپنے مرکز میں حاضر ہوتا تھا اور اُسے عدل و انصاف ملتا تھا۔۔۔ اپنے حقوق کے حصول کے لئے اُسے دھکے نہیں کھانے پڑتے تھے۔۔۔ حج کے اس عظیم اجتماع عام میں جرائم کی فوری شنوائی، سزاؤں کا فوری نفاذ اور چھوٹے بڑے کی تمیز کئے بغیر عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے اور ان پر عملدرآمد ہوتا تھا۔۔۔ علاقائی و مرکزی حکام کو نماز پنجگانہ، نماز جمعہ و عیدین اور حج کے موقع پر عوام کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔۔۔ وہ پنجگانہ نمازیں خود پڑھاتے تھے۔۔۔ جس جگہ حکومت کا جو بھی جس درجہ کا حاکم ہوتا وہاں کے مصلیٰ امامت پر وہی کھڑا ہوسکتا تھا۔ اوپر سے نیچے تک حکومتی ارکان سولین ہوں یا فوجی، ان کے فرائض منصبی میں پہلا فریضہ یہی تھا کہ وہ مسجد میں پانچوں نمازیں، جمعہ، عیدین اور پھر حکمران اعلیٰ حج کی ادائیگی میں یہ ذمہ داری نبھائے۔ نہیں نبھا سکتا تو حق حکمرانی سے الگ ہوجائے اور اہل لوگوں کو عوامی انتخاب کے ذریعے یہ ذمہ داری سونپ دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. (الحج: ۴۱)

”(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے“۔

دعا کیجئے کہ یہ نظام ہمارے جیتے قائم ہوجائے اور دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو اور مساجد و حج و دیگر احکام شرع کے نتائج وثمرات سے عوام کی قسمت چمک اٹھے اور رنجیدہ چہروں پر خوشی کے انوار و رونق نمودار ہو۔

فلسفۂ قربانی

قربانی وہ چیز جس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جائے۔ شرع میں قربانی جانور ذبح کرنے کا نام ہے۔ قربانی کے لئے قرآن کریم میں عموماً تین لفظ استعمال ہوئے ہیں:

۱۔ قربانی۔ اذقربا قربانا. ”جب دونوں نے قربانی کی“۔

۲۔ منسک۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ اللّٰهُ مِنْ ۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ.

اور ہم نے ہر امت کے لئے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں، اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپائیوں پر۔ (الحج، ۲۲: ۳۴)

۳۔ نحر۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. ”تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربان کرو“۔

ان المراد وانحر البدن.

مراد جانور کی قربانی ہے۔ (تفسیر کبیر، ۳۲: ۱۲۹)

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

قربانی کی تفصیلات ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے فرامین سے واضح انداز میں حاصل ہوتی ہیں۔ آیئے ان احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

ضحی رسول الله ﷺ بكبشين املحين اقرنين، ذبحهما بيده وسمى وكبر قال رايته واضعا قدمه على صفاحهما ويقول بسم الله والله اكبر.

''رسول اللہ ﷺ نے سیاہ و سفید رنگوں والے، سینگدار مینڈھے اپنے ہاتھ مبارک سے ذبح فرمائے، بسم اللہ اور تکبیر پڑھی، کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو ان کے پہلوؤں پر پاؤں مبارک رکھ کر یہ فرماتے ہوئے سنا بسم اللہ (اللہ کے نام سے) واللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)''۔ (بخاری ومسلم وغیرہما)

۲۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگدار ایسا مینڈھا لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو، سیاہی میں بیٹھتا ہو اور سیاہی میں دیکھتا ہو (یعنی اس کے پاؤں، پیٹ اور آنکھیں سیاہ ہو) وہ لایا گیا۔ پھر فرمایا:

عائشہ! ھلمی المدیة. ''چھری لاؤ''! پھر فرمایا: **اشحذیھا بحجر.** ''اسے پتھر پر تیز کرو''، ''**ففعلت**'' ''میں نے تیز کردی''۔ آپ نے مینڈھے کو پہلو کے بل لٹایا اور ذبح کیا اور پھر فرمایا:

اللھم تقبل من محمد وال محمد ومن امة محمد.

''باری تعالیٰ! محمد ﷺ، محمد ﷺ کی آل اور محمد ﷺ کی امت کی طرف سے قبول فرما۔ (مسلم)

۳۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لاتذبحوا الا مسنة الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعة من الضان.

''مسنہ کے سوا قربانی کے لئے کوئی جانور ذبح نہ کرو۔ ہاں اگر مسنہ نہ ملے تو بھیڑ کا جذعہ، ذبح کرو''۔ (مسلم)

☆ خوب جان لیں کہ قربانی صرف اونٹ، بیل، بکری، بھیڑ، بھینس۔ ان میں سے ہر جانور کی مذکر ہو یا مونث جائز ہے۔ بشرطیکہ عمر کے لحاظ سے مُسِنَّہ یا ثِنِّی ہو۔ اونٹ ثنی یا مسنہ کہلاتا ہے جب اس کی عمر مکمل پانچ سال ہو اور چھٹے میں داخل ہوجائے۔ گائے، بیل، بھینس، بھینسا جب دو سال کا ہو۔ بکری، دنبہ، بھیڑ، مذکر ہو یا مونث کم سے کم ایک سال کا۔ ہاں بھیڑ یا دنبے کا بچہ سال سے کم ہو اور صحت کے لحاظ سے سال بھر کا لگے تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

کان النبی ﷺ یذبح وینحر بالمصلّٰی.

''نبی کریم ﷺ قربانی کے جانور عیدگاہ میں ذبح فرماتے تھے''۔ (بخاری)

۴۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

البقرہ عن سبعة و الجزور عن سبعة.

''گائے (بیل) سات آدمیوں کی طرف سے جائز ہے اور یوں ہی اونٹ کی قربانی بھی سات آدمیوں کی طرف سے جائز ہے''۔ (مسلم، ابوداؤد)

۵۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا دخل العشر واراد بعضکم ان یضحی فلا یاخذن شعرا ولا یقلمن ظفرا.

''جب ماہ ذی الحجہ کا چاند نظر آئے (عشرہ ذی الحجہ داخل ہوجائے) اور تم میں کوئی قربانی کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے''۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مامن ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ من ھذہ الایام العشرۃ قالوا یارسول اللہ ولا الجھاد فی سبیل اللہ، قال ولا الجھاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسه وماله فلم یرجع من ذلک بشئی.

''ان دس دنوں (عشرہ ذی الحجہ) میں اللہ تعالیٰ کے حضور نیک عمل جتنا پسندیدہ ومحبوب ہے کسی اور دن میں اتنا پسندیدہ ومحبوب تر نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اللہ کے راستہ میں جہاد بھی نہیں، فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ ہاں وہ شخص جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلا اور کچھ لے کر گھر نہ لوٹا''۔ (بخاری)

۷۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ

ذبح النبی ﷺ کبشین اقرنین املحین موجوئین فلما وجهھما قال انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین. ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین لاشریک له وبذلک وامرت وانا من المسلمین اللهم منک ولک عن محمد و امته بسم الله، والله اکبر ثم ذبح.

’’رسول اللہ ﷺ نے سینگ دار، سیاہ و سفید رنگ والے (چتکبرے) خصی مینڈھے اپنے مبارک ہاتھوں سے ذبح کئے، بسم اللہ اور اللہ اکبر پڑھا، جب ان کو قبلہ رخ گرایا تو پڑھا: بے شک میں نے اپنا رخ کرلیا اس ذات کی طرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ دین ابراہیم پر، ہر باطل سے رخ موڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوکر اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری موت و زندگی، اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ یہ تیری طرف سے اور تیرے لئے ہے، محمد ﷺ اور آپ کی امت کی طرف سے۔ اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بڑا ہے پھر آپ ذبح فرمایا‘‘۔

(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی، امام احمد، ابوداؤد)

۸۔ ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

بسم الله، والله اکبر، اللهم هذا عنی وعمن لم یضح من امتی.

’’یہ میری طرف سے اور میری امت میں سے جو قربانی نہیں کرسکا اس کی طرف سے‘‘۔

۹۔ حنش سے روایت ہے:

رایت علیا یضحی بکبشین فقلت له ماهذا؟ فقال ان رسول الله ﷺ اوصانی ان اضحی عنه.

’’میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا۔ میں نے عرض کی، یہ کیا ہے؟ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میری طرف سے قربانی کرنا۔ پس میں آپ ﷺ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں‘‘۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہ)

۱۰۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے:

امرنا رسول الله ﷺ ان نستشرف العین والاذن وان لا نضحی بمقابلة ولا مدابرة ولاشرقآء ولا خرقآء.

’’ہم کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم جانور کی آنکھ اور کان اچھی طرح دیکھیں، اگلی طرف سے اور پچھلی طرف سے کان کٹے کی قربانی نہ کریں۔ نہ کان چیرے کی اور نہ جس کے کان میں سوراخ ہو۔

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ)

۱۱۔ انہی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو اس جانور کی قربانی سے منع فرمادیا جس کا سینگ اوپر والے خول کے نیچے والی میخ (مینگ) سمیت ٹوٹ جائے۔ نیچے والی کلی اگر محفوظ ہو، صرف سینگ کا خول (کوّر) ٹوٹ جائے تو قربانی جائز ہے‘‘۔ (ابن ماجہ)

۱۲۔ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا، کن جانوروں کی قربانی سے بچا جائے۔ آپ نے دست اقدس سے اشارہ سے بتایا چار سے:

i۔ العرجاء: بہت کمزور، جو قربان گاہ تک چل کر نہ جاسکے۔ لاغر، ہڈیوں پر گوشت نہ ہو۔

ii۔ العوراء: اندھا، جس کا اندھا پن ایک آنکھ سے یا دونوں سے واضح ہو۔

iii۔ المریضة: بیمار۔ جس کی بیماری واضح ہو۔

iv۔ العجفآء: بہت کمزور جس کی ہڈیوں میں مخ نہ ہو یعنی ہڈیوں کا ڈھانچہ۔

(مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤ، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

متوجہ ہوں! تنظیمات، رفقاء، کارکنان اور عوام الناس کی سہولت کے پیشِ نظر فیصلہ کیا گیا ہے کہ آئندہ ماہانہ مجلس ختم الصلوۃ کا اجتماع ہر مہینے کے پہلے ہفتہ (Saturday) کو بعد از نمازِ عشاء منعقد ہوا کرے گا۔

۱۳۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، طیبہ طاہرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما عمل ابن ادم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم، وانہ لیاتی یوم القیمۃ بقرونھا واشعارھا واظلافھا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بھا نفسا.

''قربانی کے دن انسان کا کوئی عمل اللہ کے حضور خون بہانے (قربانی) سے بڑھ کر محبوب نہیں اور بے شک یہ قربانی قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں، کھروں کے ساتھ آئے گی (اور میزان میں تلے گی) اور بے شک قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے بارگاہ خدا میں قبول ہوجاتا ہے۔ سو قربانی خوشدلی سے دیا کرو''۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

عشرہ ذوالحجہ میں نیکیوں کا ثواب

۱۴۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبدلہ فیھا من عشر ذی الحجۃ، یعدل صیام کل یوم منھا بصیام سنۃ وقیام کل لیلۃ منھا بقیام لیلۃ القدر.

''اللہ تعالیٰ کو اپنی عبادت بجائے دوسرے اوقات و ایام میں کرنے کے عشرہ ذوالحجہ میں کرنی محبوب تر ہے۔ اس کے ایک دن کا روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر ہے اور اس کی ایک ایک رات کا قیام، لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے''۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

۱۵۔ ایک روایت میں ہے کہ

صلی النبی ﷺ یوم النحر ثم خطب ثم ذبح وقال من کان ذبح قبل ان یصلی فلیذبح اخری مکانھا ومن لم یذبح فلیذبح باسم اللہ.

''نبی کریم ﷺ نے قربانی کے دن نماز عید ادا فرمائی پھر خطبہ ارشا فرمایا پھر قربانی کی اور فرمایا جس نے نماز سے پہلے جانور ذبح کیا، اس کی جگہ دوسرا جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا، اللہ کا نام لے کر ذبح کرے''۔ (متفق علیہ)

۱۶۔ حضرت نافع نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی، انہوں نے فرمایا:

الاضحی یومان بعد یوم الاضحی.

''قربانی عید قربان کے بعد دو دن اور ہیں''

اسے امام مالک نے روایت کیا اور انہوں نے فرمایا کہ ہمیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ایسی ہی خبر پہنچی ہے۔ قربانی کے کل تین دن ہیں۔

۱۷۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

اقام رسول اللہ ﷺ بالمدینۃ عشر سنین یضحی.

'' رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے''۔ (ترمذی)

۱۸۔ حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے عرض کی:

یارسول اللہ ماھذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام، قالوا فمالنا فیھا یارسول اللہ ﷺ؟ قال بکل شعرۃ حسنۃ، قالوا فالصوف یارسول اللہ ﷺ؟ قال لکل شعرۃ من الصوف حسنۃ.

'' یارسول اللہ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا تمہارے ابا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ عرض کی یارسول اللہ ان میں ہمیں کیا ملے گا؟ فرمایا ہر بال کے

بدلے نیکی۔ عرض کی اون؟ فرمایا اون کے ہر بال کے بدلے نیکی‘‘۔ (احمد، ابن ماجہ)

قربانی کی حکمتیں اور فوائد

۱۔ خداداد نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اس کے حکم پر خلق خدا کے لئے بہترین کھانے کا بندوبست کریں۔

۲۔ قربانی دینے والے ہی حق کی حمایت اور ظلم کی بیخ کنی کے لئے وقت آنے پر تن من دھن وطن اولاد سب کچھ قربان کر سکتے ہیں اور یہی جذبہ قوموں کی باوقار زندگی کا ضامن ہے۔

۳۔ بدترین نظام مغرب نے جو ظالمانہ استحصالی نظام ہم پر مسلط کر رکھا ہے، اس نے غریب کو باعزت زندگی سے محروم کر رکھا ہے۔ اشیاء خورد و نوش اتنی مہنگی کر دی گئیں کہ اللہ کی نعمتوں کے دروازے عوام پر بند ہیں۔ اسلام کا نام لینے والے حکمرانوں نے اپنے عوام کے منہ سے آخری لقمہ بھی چھین لیا ہے۔ رب العالمین کی ربوبیت اور رحمۃ للعالمین کی رحمت کو امراء نے غصب کر رکھا ہے۔ یہ لوگ اللہ کا پیدا کیا ہوا وافر رزق ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ سٹاک کرتے اور کھلے بازار میں آنے سے روکتے اور مصنوعی قلت پیدا کر کے آئے دن بھاؤ بڑھاتے رہتے ہیں۔ جس سے عوام بنیادی ضروریات سے محروم ہوتے جاتے ہیں اور بڑے لوگ اپنی تجوریاں بھرتے رہتے ہیں۔ قربانی کا شرعی حکم ان انسان نما درندوں کو مذموم حرکت سے باز رکھنے کا سبق دیتا ہے تاکہ غریب آدمی بھی اللہ کی نعمت گوشت کھا سکے۔ پس اسلامی نظام کو جہاں بھی نافذ العمل کرو گے، ظلم کے اندھیروں میں تمہیں روشنی کی کرن وہیں نظر آنے لگے گی۔ ایک قربانی پر عمل درآمد نے کم از کم تین دن کروڑوں محروم لوگوں کو اعلیٰ کھانا کھلا دیا۔

۴۔ قربانی کی کھالوں سے بیشمار رفاہی خیراتی ادارے چلتے ہیں۔ غریبوں یتیموں اور بیواؤں کی مالی پریشانیاں دور ہوتی ہیں۔

۵۔ سرمایہ داروں کے دل سے دولت کی محبت کم اور خالق کی محبت اور خلق پر شفقت کے جذبات بڑھتے ہیں اور یہی انسانیت کا اصل جوہر ہے۔

۶۔ قربانی کی نیت سے ہزاروں لوگ مال مویشی پالتے اور وقت آنے پر اپنی محنت کا پھل پاتے ہیں۔ اس سے ان کی سال بھر کی روزی کا سامان ہوجاتا ہے۔ اس کی کھال بال اور ہڈیاں قومی آمدنی میں اضافے کا سبب ہیں۔ الغرض جس پہلو سے دیکھا جائے قربانی اپنے اندر دنیا و آخرت کے بیشمار فوائد و فضائل رکھتی ہے۔

ماہنامہ منہاج القرآن کے سالانہ خریداران متوجہ ہوں!

مصروفیات کی بناء پر کئی احباب ماہنامہ منہاج القرآن کی سالانہ خریداری کے دوبارہ اجراء کیلئے نہ تو مرکز آسکتے ہیں اور نہ ہی منی آرڈر کے ذریعے اپنا زرِتعاون بھجواسکتے ہیں۔ ان احباب کی سہولت کیلئے یہ سلسلہ جاری ہے کہ ماہنامہ منہاج القرآن کے جن سالانہ خریدار احباب کا زرِتعاون جس مہینے ختم ہوجائے گا، اس سے اگلے ماہ ان احباب کو 250 روپے سالانہ خریداری کے عوض شمارہ VP کیا جائے گا تاکہ شمارہ سے استفادہ کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے اور انہیں بغیر تعطل کے ہر ماہ شمارہ ملتا رہے۔

امید ہے کہ آپ VP کی صورت میں ارسال کئے گئے شمارہ کو پوسٹ مین سے وصول کر کے اپنے تعاون کو جاری و بحال رکھیں گے۔ (ادارہ)

اسلام میں معذوروں کے حقوق

محمد سلیم اختر☆

کل مذاہبِ عالم اور ادیان کا مطالعہ کیا جائے تو اُن کی تعلیمات میں سائلین، محرومین، مستضعفین اور کسی بھی انداز کی معذوری اور محتاجی کے سدباب کے اشارے یا واضح اسلوب موجود ہیں۔ مذاہب عالم کی تعلیمات میں ممکن ہے معذور اور اپاہج کے الفاظ نہ ملیں یا براہِ راست ایسے لوگوں کے بارے واضح تصورات کا ذکر نہ ہو مگر اُن کی تعلیمات میں محرومین کی فلاح اور دیکھ بھال کرنے اور مختلف حوادث کا شکار ہونے والے طبقہ کی بھلائی کے واضح احکامات موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُترنے والی آسمانی کتابوں زبور اور انجیل میں اِن طبقات کی فلاح اور بھلائی کے باب موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کے اذن سے اندھوں کو بینائی بخشنا اور کوڑھ کے مریضوں کو شفایاب کرنا اُن کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے۔ پھر جوں جوں وقت گزرتا گیااور حالات و واقعات میں تبدیلی آتی رہی اِن تعلیمات میں بھی نکھار کا عنصر غالب حیثیت اختیار کرتا گیا۔ حتیٰ کہ یہ سلسلۂ ادیان حضرت محمد ﷺ کی شریعت مطہرہ تک آن پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں معذور افراد کے بارے واضح اور کھلے احکامات کا ذکر کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں ہی عملی اقدامات کا بندوبست فرمایا۔

دینِ اسلام نے زندگی کے معاملات میں ہر انسان کو بلاتمیز رنگ ونسل یا سماجی مرتبہ مساوی حیثیت عطا کی ہے۔ یہ عام سماجی رویہ ہے کہ معذور افراد کو زندگی کے عام معاملات اور میل جول میں نظرانداز کرنے کی روش اختیار کی جاتی ہے۔ قرآنی تعلیمات نے اِس روش اور عادت کی سختی سے مذمت کرتے ہوئے ہر انسان کو لائقِ عزت و وقار قرار دیا ہے۔ ذیل میں معذور افراد کے حقوق کی مختلف جہات درج کی جارہی ہیں:

ا۔ معاشرتی رتبہ اور توجہ کا حق

دین اسلام نے کسی شخص کے جسمانی نقص یا کمزوری کی بنا پر اُس کی عزت وتوقیر اور معاشرتی رُتبہ کو کم کرنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں دی بلکہ جا بجا ایسے واقعات اور احکامات موجود ہیں جن کی بنیاد پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسے لوگوں کو دوسرے انسانوں کی نسبت زیادہ عزت بخشی ہے۔

ایک موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ رؤسائے مشرکین کو تبلیغ فرما رہے تھے کہ اتنے میں نابینا صحابی حضرت عبد اللہ بن اُم مکتومؓ آپ ﷺ کی خدمت میں

☆ ڈپٹی ڈسٹرکٹ آفیسر سوشل ویلفیئر تلہ گنگ۔ چکوال

حاضر ہوئے۔ دوسروں سے مصروف گفتگو ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ حضرت عبداللہ بن اُم مکتومؓ کی طرف متوجہ نہ ہو سکے تو اِس عدم توجہی پر یہ آیت قرآنی نازل ہوئی:

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓO اَنْ جَآءَ ہُ الْاَعْمٰی O وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰیٓO اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰیO

’’اُن کے چہرہ (اقدس) پر ناگواری آئی اور رُخ (انور) موڑ لیا۔ اِس وجہ سے کہ اُن کے پاس ایک نابینا آیا (جس نے آپ ؐ کی بات کو ٹوکا)۔ اور آپ ﷺ کو کیا خبر شاید وہ (آپ ﷺ کی توجہ سے مزید) پاک ہو جاتا۔ یا (آپ ﷺ کی) نصیحت قبول کرتا تو نصیحت اس کو (اور) فائدہ دیتی۔‘‘ (عبس ۸۰، ۱ تا ۴)

حضور نبی اکرم ﷺ کے نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن اُمِ مکتوم کا واقعہ بڑی اہمیت کا حامل اور ہمارے موضوع ’’معاشرتی رتبہ اور توجہ کا حق‘‘ کے قریب تر ہے۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنا کچھ مدعا بیان کرنا چاہتے ہیں اور تعلیماتِ رسول ﷺ سے بہرہ مند ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ بینائی نہ ہونے کی وجہ سے انہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی مصروفیت اور تبلیغ دین میں انہماک کا اندازہ نہ ہوسکا، اُنہوں نے حاضرِ خدمت ہوکر اپنا مدعا بیان کرنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ اس وقت کچھ اشرافِ قریش کو دین حق کی تبلیغ فرما رہے تھے۔ دعوت حق کی حکمت عملی اور محویت کے باعث آپ ﷺ حضرت عبداللہ کی طرف توجہ نہ دے سکے اور اُن کے سوالات کا جواب بھی نہ دیا۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کی بار بار ندا اور مداخلت سے سرکارِ دو عالم ﷺ کو قدرے ناگواری ہوئی۔ مگر باری تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم ﷺ کو متوجہ فرماتے ہوئے حضرت ابن ام مکتومؓ کی مخلصانہ طلب اور راہِ حق کی سچی جستجو کو زیادہ اہمیت دینے کی نشاندہی فرمائی۔

معذور افراد کس طرح کی توجہ اور معاشرتی مقام کے حقدار ہیں، اس کا اندازہ حضرت عمر فاروقؓ کے طرزِ عمل سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے کہ ایک شخص کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ آپؓ نے فرمایا کہ اے بندۂ خدا! دائیں ہاتھ سے کھا۔ اُس نے جواب دیا کہ ’’وہ مشغول ہے۔‘‘ آپ آگے بڑھ گئے۔ جب دوبارہ گزرے تو پھر وہی فرمایا اور اُس شخص نے پھر وہی جواب دیا۔ جب تیسری بار آپؓ نے اُس کو ٹوکا تو اُس نے جواب دیا کہ ’’موتہ کی لڑائی میں میرا دایاں ہاتھ کٹ گیا تھا۔‘‘ یہ سن کر آپؓ رونے لگے اور پاس بیٹھ کر اُس سے پوچھنے لگے کہ تمہارے کپڑے کون دھوتا ہے اور تمہاری دیگر ضروریات کیسے پوری ہوتی ہیں۔ تفصیلات معلوم ہونے پر آپؓ نے اس کے لیے ایک ملازم لگوا دیا۔ اسے ایک سواری دلوائی اور دیگر ضروریاتِ زندگی بھی دِلوائیں۔ (کتاب الآثار، ابو یوسف ۱:۲۰۸)

اِس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کا فرض ہے کہ وہ معذور افراد کی ضروریات کا خیال رکھنے میں کوتاہی اور سستی کی مرتکب نہ ہو۔

مدینہ طیبہ کی ایک دیوانی/ پگلی عورت کا واقعہ بھی کئی محدثین نے بیان کیا ہے کہ مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کے پاس بیٹھے کچھ اہم موضوعات پر گفتگو فرما رہے تھے کہ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک بڑھیا مجمع کے آخر میں کھڑے ہوکر کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ سرکار ﷺ اُس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں مگر سب کے سامنے نہیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ عورت پاگل ہے اور ایسے ہی آپ ﷺ کا وقت ضائع کرے گی۔ آپ ﷺ کا چہرہ اقدس متغیر ہوا۔ فرمایا کہ پاگل ہے تو کیا انسان نہیں؟ کیا اِس کی خواہشات اور تمنائیں نہیں ہیں؟ یہ اپنا کچھ کہنے آئی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ مسجد نبوی سے نکل کر اُس کے ساتھ چل پڑے۔ آپ ﷺ نے اُس سے اُس کی حاجت پوچھی اور ساتھ ہی فرمایا کہ

تیری ہر بات تسلیم کی جائے گی۔ بڑھیا آگے آگے چلتی رہی اور سرکار دو عالم ﷺ اُس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ مدینے کی ایک گلی کی نکڑ پر بڑھیا نے آپ ﷺ سے کہا کہ آپ زمین پر تشریف رکھیں۔ آپ ﷺ بیٹھ گئے، بڑھیا نے اپنی پوری داستان سنائی اور رحمتِ دو عالم ﷺ نے اُس کی ساری ضروریات پوری کر دیں۔

دِل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دِل خوش تر است

آدم کے کسی روپ کی تحقیر نہ کرنا
پھرتا ہے زمانے میں خدا بھیس بدل کر

۲۔معذوروں کی معاونت کا حکم

اسلام نے جہاں خصوصی افراد کو معاشرے میں عدم توجہی سے محفوظ رکھنے کے احکامات جاری کیے وہاں اُن کی سوشل سیکورٹی کا بندوبست بھی کیا ہے۔ قدرت نے جہاں انہیں کسی ایک صفت سے محروم کیا وہیں اُن کی معاونت اور مدد کے لیے ان کے حقوق کا حکم بھی صادر کر دیا۔ ذرا اِس آیت کریمہ پر غور کیجئے:

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا. (النور،۲۴: ۶۱)

”اندھے پر کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور نہ خود تمہارے لیے (کوئی مضائقہ ہے) کہ تم اپنے گھروں سے (کھانا) کھا لو یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن گھروں کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں (یعنی جن میں ان کے مالکوں کی طرف سے تمہیں ہر قسم کے تصرّف کی اجازت ہے) یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (کھانا کھا لینے میں مضائقہ نہیں)، تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سب کے سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ، پھر جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے (گھر والوں) پر سلام کہا کرو (یہ) اﷲ کی طرف سے بابرکت پاکیزہ دعا ہے، اس طرح اﷲ اپنی آیتوں کو تمہارے لیے واضح فرماتا ہے تاکہ تم (احکامِ شریعت اور آدابِ زندگی کو) سمجھ سکو“

یہاں بے بصر اور جسمانی طور پر معذور افراد کے لیے نعمت اور عطیۂ خداوندی کا اعلان کرتے ہوئے اُنہیں فاقہ کشی اور بھوک و ننگ سے محفوظ کر دیا ہے کہ اہلِ قرابت اُن کی ضروریات اور حقوق سے جان چھڑاتے نہ پھریں اور نہ خصوصی افراد اپنی بے بسی اور اپنوں کی بے مروتی کے باعث خودکشیاں کرتے پھریں۔ دیکھئے کتنے عظیم اور بنیادی چارٹر کا اعلان کر کے اللہ رب العزت نے اپنی ربوبیت ہم پر افشاں کر دی ہے۔

۱۔ اندھے، بیمار اور جسمانی طور پر معذور (لنگڑے) افراد چونکہ جنگ میں شریک نہ ہو سکتے تھے لہٰذا اُنہیں قریبی رشتہ داروں کے گھروں سے کھانا کھانے کی اجازت دی گئی۔

۲۔ قریش اور سردارانِ مکہ معذور افراد کو منحوس اور قابل نفرت خیال کرتے تھے۔ مگر اَللہ نے اُن کی تکریم کرتے ہوئے، اُن کے حقوق اور عزتِ نفس کا اعلان کیا اور جاہلانہ رسموں کا قلع قمع کر دیا۔

۳۔ ماں باپ اور بہن بھائی معذور افراد کو کراہتاً رشتہ داروں کے گھر چھوڑ آتے تھے تاکہ وہ خوب سیر ہو کر

کھالیں اور یہ کہیں سے روکھی سوکھی کھالیں۔ رب العزت کو یہ بات پسند نہ تھی لہٰذا ترغیباً والدین اور بہن بھائیوں یا قریبی رشتہ داروں کے گھر سے کھانے کی اجازت دی۔

۴۔ بہن بھائیوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں، خالاؤں کے گھروں سے یا اُن کی عدم موجودگی میں بھی اُن کے ہاں کھانا کھانے کی اجازت اور رخصت دی گئی۔

۵۔ رشتہ داروں کے بعد جن گھروں کی کنجیاں اُن کے حوالے کی گئیں وہاں سے بھی کھانے کی اجازت دی گئی۔ دوست احباب کے گھر کو بھی رشتہ داروں کے گھروں سے تشبیہہ دی گئی تاکہ یہ قربت بھی عظمت کی علامت رہے اور خصوصی افراد کے حقوق یہاں بھی محفوظ رہیں۔

۶۔ بعض لوگ اندھوں اور لولے لنگڑوں کو حقیر سمجھ کر غیر مہذبانہ انداز میں الگ تھلگ بٹھا کر کھانا دیتے تھے۔ رب العالمین نے انہیں تنہا کرنے کی کراہت کو ختم کرتے ہوئے اپنے رسول ﷺ کی وساطت سے اکٹھے کھانے کی ترغیب دی۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی وساطت سے دین اسلام کی تعلیمات اور قرآنی احکامات کو دائمی اور واضح اصول و قواعد کی شکل میں رکھنے کے لیے معاشرتی زندگی کے کسی گوشہ کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ کفالت عامہ اور کچھ انتہائی ضرورت مند اور خصوصی افراد کے بارے بھی کتب احادیث اور خلفائے راشدین، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور صوفیائے کرام کی زندگیوں میں ایسے واقعات کی نشاندہی ہوتی ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبانِ اقتدار اور مال دار طبقہ پر ضرورت مندوں کے بہت سارے حقوق ہیں اور خصوصی افراد کو کئی قسم کی رعایت دی گئی ہے۔

حضرت سعیدؓ بن مسیّب سے مروی ہے کہ صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جہاد کو جاتے تو اپنے مکانوں کی چابیاں نابینا، بیماروں اور اپاہجوں کو دے جاتے جو اپنی معذوریوں کے باعث جہاد میں نہ جاسکتے اور اُنہیں اجازت دیتے کہ اِن مکانوں سے کھانے کی چیزیں لے کر کھائیں مگر وہ لوگ اِس کو گوارا نہ کرتے بایں خیال کہ شاید یہ اِن کو دِل سے پسند نہ ہو۔ اس پر یہ آیت اتری اور انہیں اِس کی اجازت دی گئی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اپاہج، نابینا اور بیمار لوگ تندرستوں کے ساتھ کھانے سے بچتے کہ کہیں کسی کو نفرت نہ ہو۔ ایک اور روایت کے مطابق ایسے ضرورت مند افراد کسی مسلمان کے گھر جاتے اور اُن کے پاس کھلانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ اُنہیں کسی اور کے گھر لے جاتے تھے اور یہ بات اِن خصوصی افراد کو ہرگز پسند نہ ہوتی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کو واضح طور پر آگاہ فرمایا۔ پس معاشرے پر لازم ہے کہ وہ ان معذور افراد کے حقوق کو احسن طریقہ سے نبھائیں۔

☆ ایک مقام پر حضرت عمرؓ کا گزر ہوا، دیکھا کہ ایک ایسا بوڑھا سائل بھیک مانگ رہا تھا جس کی بصارت زائل ہو چکی تھی۔ آپؓ نے پوچھا: تم اہلِ کتاب کے کس گروہ سے ہو؟ اُس نے کہا: یہودی۔ آپؓ نے اس سے پوچھا: تمہیں کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا ہے؟ اُس نے جواب دیا: میں بڑھاپے، ضرورت مندی اور جزیہ کی وجہ سے بھیک مانگ رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور گھر میں سے اُسے کچھ لا کر دیا اور پھر آپؓ نے بیت المال کے نگران کو بلایا اور اہل کتاب بوڑھے معذور لوگوں کا جذیہ معاف کرنے کے احکامات جاری کردیئے۔ (کتاب الخراج: ۱۳۶، از ابو یوسف)

☆ مدینہ کے اطراف میں ایک نابینا بڑھیا تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ روزانہ علی الصبح اِس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے لیے پانی اور دیگر ضروری خدمات انجام دیتے تھے۔ کچھ عرصے بعد آپ کو محسوس ہوا کہ کوئی شخص اِن سے پہلے آکر یہ کام کر جاتا ہے۔ ایک روز تحقیق کی غرض سے آپؓ کچھ رات گزرنے کے بعد جلد وہاں تشریف لے گئے تو دیکھا

خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ اِس ضعیفہ کی خدمت گذاری سے فارغ ہو کر اس کے جھونپڑے سے نکل رہے تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اِس بات کا سخت اہتمام کر رکھا تھا کہ کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہو۔ آپؓ نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ ہر مفلوج اور اپاہج فرد کو بیت المال سے ماہانہ وظیفہ دیا جائے۔ ان خلفائے راشدین کا معذور افراد کے ساتھ اس حد تک احسن سلوک ہمیں معذور افراد کے حقوق کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ افسوس ہمارے حکمران نابینا اور معذور افراد کے لئے معاشی و معاشرتی سطح پر کوئی واضح پالیسی بنانے سے قاصر ہیں۔ یہاں تو اگر نابینا افراد اپنے حقوق کے حصول کے لئے احتجاج کریں تو اُن پر بھی لاٹھی چارج کی جاتی ہے۔

۳۔ معاشرتی ذمہ داریوں سے استثناء کا حق

جہاد کی اہمیت و فضیلت سے کون آگاہ نہیں۔ بعض اکابرین کے نزدیک جہاد اسلام کا چھٹا رکن ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاد کے بارے واضح احکامات صادر فرمائے ہیں۔ آغازِ اسلام میں جب کفار نے مسلمانوں کی زندگی اجیرن اور جنگ مسلط کر دی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت کا حکم جاری کیا۔ اِسی اثناء میں جو لوگ اپاہج اور صاحب عذر تھے اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ اِس پر حکم ربانی آیا کہ اے حبیب ﷺ! صاحب عذر اصحاب سے کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اجازت مرحمت فرما دی ہے کیونکہ یہ لوگ دشمن پر حملہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ اِن میں حملہ سے بچنے اور بھاگنے کی سکت ہے۔

اسی طرح صاحب عذر کے لیے جہاں جہاد میں شریک ہونا ضروری نہیں وہاں جنگ کے دوران اُن پر حملہ آور نہ ہونے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

حضرت عمرو بن جموعؓ جو سب انصار کے بعد اسلام لائے۔ وہ ایک پاؤں سے لنگڑے تھے۔ جب آقائے دو جہاں ﷺ نے صحابہ کرام کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے اور اللہ کی راہ میں جہاد کی تبلیغ فرمائی تو وہ جنگ میں شامل ہونے کے لیے تیار ہوگئے مگر اُنہیں اُن کے بیٹوں نے جانے سے منع کر دیا۔ پھر جنگ اُحد کا موقع آیا تو اُنہوں نے اس بار جہاد میں شرکت کا قوی ارادہ کر لیا۔ مگر اُن کے بیٹوں نے اس بار بھی انہیں بوجہ عذر جنگ میں شمولیت سے منع کیا اور ارادہ ترک کرنے کی ترغیب دی۔ مگر اُنہوں نے اپنے بیٹوں کی بات نہ مانی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اگر میرے بیٹے جنگ میں شریک ہو سکتے ہیں تو میں بھی ضرور جاؤں گا۔ خدا کی قسم میں امید رکھتا ہوں کہ میں شہید ہو کر اپنے لنگڑے پن کے ساتھ جنت میں جاؤں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری معذوری کی وجہ سے تم پر جہاد فرض نہیں ہے، یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لیے چھوٹ ہے۔ حضرت عمرو بن جموعؓ نے جہاد میں شرکت کے لئے اپنے خلوص اور جذبے کا والہانہ اظہار کیا تو آپ ﷺ نے انہیں جہاد میں شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرما دی اور وہ اُسی جنگ میں شہید ہو گئے۔

(اسد الغابہ، حصہ ہفتم: صفحہ ۶۷۸)

شرعی عذر اور چھوٹ ہونے کے مواقع موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی مسلمان عشق و محبت اور دلی چاہت سے اللہ کی قربت کا خواستگار ہوتا ہے تو وہی اُس کا زیادہ مقرب بندہ ہے اور رب العزت اپنے انہی بندوں پر فخر کرتے اور نازاں ہوتے ہیں۔ تاہم اسلام میں معذور افراد کے حقوق کے ضمن میں جہاد کی فرضیت ان پر واجب نہیں۔

۴۔ محروم اور سائلین کا حق

ربِّ کائنات نے جہاں خصوصی افراد کو کوئی ایک

معاملات میں استثنیٰ سے نوازا ہے وہاں اسلامی سوسائٹی کو اُن کے کئی ایک حقوق سے بھی خبردار کیا ہے تاکہ معاشرے کے افراد محروم لوگوں پر رحم دلی کے جذبے کی داستانیں ہی نہ سناتے پھریں بلکہ ان معمولات کو محرومین کا حق اور اپنا فرض سمجھ کر ادا کریں۔ خالقِ کائنات قرآنِ حکیم میں متقی لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِO

''اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجتمندوں) کا حق مقرر تھا۔'' (الذّرٰیٰت، ۵۱: ۱۵تا۱۹)

یعنی متقی اور پرہیز گار لوگ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہوں گے اور اِس خوشی و راحت کے عوض وہ مخلوق میں سے محتاج اور معذور لوگوں کے خیر خواہ ہیں اور اپنے مال میں اُنہیں، خواہ وہ اُن سے طلب نہ بھی کریں، حق دار ٹھہراتے ہیں۔

اِس مقام پر یہ بات جان لینی چاہیے کہ اہل ایمان کے مال و دولت میں سائل اور محروم کے جس حق کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اُس سے مراد زکوٰۃ نہیں ہے جو شرعاً اُن پر فرض کی گئی ہے بلکہ یہ وہ حق ہے جو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی ایک صاحب استطاعت مومن اپنے مال میں خود محسوس کرتا ہے۔

بعض احادیث میں معذور افراد کے لیے خادم فراہم کرنے کا ذکر بھی آیا ہے یہ ضرورت ایسی ہے کہ معذور افراد اپنے خاندان والوں کے تعاون سے یا خود اپنے مال کے ذریعہ خادم (نوکر) رکھ کر گزارہ نہ کرسکتا ہو تو حکومت یا معاشرہ کو اِس کی یہ ضرورت پوری کرنی چاہیے کیوں کہ اگر اسے پورا نہ کیا گیا تو اس کے لیے زندگی گزارنا ممکن نہ رہے گا۔ بہرحال یہ ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوگی کہ ہر ضرورت مند معذور کو کوئی مناسب سہارا مہیا کیا جائے۔

موجودہ دور میں معذور اور خصوصی افراد کو وہیل چیئرز، ٹرائی سائیکل، بیساکھیاں، آلہ سماعت، خصوصی موٹر بائیک، گاڑی، مصنوعی اعضاء وغیرہ کی فراہمی کے علاوہ اُن کے لیے تعلیمی سکول، ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹرز اور دیگر ضروری ادارہ جات کا قیام اسلامی روایات کی روشنی میں صاحبِ استطاعت لوگوں اور حکومت پر فرض ہے۔

۵۔ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی مخلوق کی صفات کے ساتھ ساتھ اس کے کچھ جبلی حقائق کا ذکر بھی کیا ہے۔ کہیں ''انسان خسارے میں ہے'' کے الفاظ کہہ کر متنبہ کیا۔۔۔ کہیں مال و دولت اور اولاد کو فتنہ قرار دیا۔۔۔ اور کہیں ارشاد ہوا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے قربانی اور ایثار میں حریص ہیں۔۔۔ اُنہیں اپنی ضروریات کی پرواہ نہیں مگر دوسرے ضرورت مند بھائیوں کے بارے اُن کے دل میں نہ تنگی ہے اور نہ بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ.
(الحشر، ۵۹: ۹)

''اور یہ اپنے سینوں میں اُس (مال) کی نسبت کوئی طلب (یا تنگی) نہیں پاتے جو اُن (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے اور اپنی جانوں پر انہیں ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود اِنہیں شدید حاجت ہی ہو، اور جو شخص اپنے نفس کے بُخل سے بچالیا گیا پس وہی لوگ ہی بامراد و کامیاب ہیں۔''

یہ ہے اسلامی تعلیمات اور ایثار و قربانی کی اعلیٰ مثال جو کہ صاف اور واضح الفاظ میں ہمیں درج ذیل نقاط پر مشتمل لائحہ عمل دے رہی ہے:

۱۔ اپنی ضروریات اور آرام کی طرح دوسروں کا خیال رکھنا۔
۲۔ اپنے مال میں ضرورت مند لوگوں کو حقدار جاننا۔
۳۔ ضرورت مند اور معذور لوگوں کو اپنا مال دیتے وقت تنگیٔ رزق کے خوف سے بے نیاز ہونا۔
۴۔ ضرورت مند لوگوں پر اپنا مال خرچ کرنے میں پہل کرنا اور دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب دینا۔

جب مسائل اور الجھاؤ کی بات ہو تو ایک لامتناہی فہرست سامنے آجاتی ہے۔ یقیناً زمانۂ حال جائز اور مثبت امور کو انجام پانے کے سلسلہ میں مشکلات و مسائل کا نہ ختم ہونے والا دور ہے مگر اس کے باوجود عمل مسلسل، جدوجہد اور سچی لگن کامیابی سے ہمکنار کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔ خصوصی افراد کی بحالی، ان کے علاج معالجے اور تعلیم و تربیت کے میدان میں رکاوٹیں ہیں جن کے بارے غور و خوض کرکے عملی اقدامات اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ والدین کی عدم توجہی اور غیر موافق معاشرتی ماحول کی وجہ سے جسمانی نقص کی تشخیص اور علاج کی طرف غور کرنے کی بجائے معاملات کو چھپانے کی ترکیب نکالی جاتی ہے۔ اس طرز عمل اور سوچ کا خاتمہ ضروری ہے۔ بحیثیت مسلمان اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے علاج کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

ان افراد کو معاشرے میں ایک مضبوط حیثیت دلوانے کے لئے ضروری ہے کہ تعلیمی میدان میں ان کی کیریئر کونسلنگ کی جائے۔ ان کے لئے ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹرز قائم کئے جائیں تاکہ یہ کسی دوسرے کے محتاج نہ ہوں۔ نیز ان کی تربیت اور علاج معالجہ کے لئے بہترین ادارے قائم کئے جائیں۔

خلاصۂ کلام

دورِ حاضر میں ہم مسلمان اور مومن بھی کہلوائیں اور اللہ کے بندوں سے نفرت بھی کریں۔۔۔ زبانیں حمد و نعت سے مزیّن ہوں اور ان پر طعنے اور گالیاں بھی رہیں۔۔۔ رب کو راضی کرنے کا دعویٰ بھی ہو، اُس کے بندوں کو ستائیں بھی۔۔۔ لوگ ہماری عزت ہمارے شر کے خوف (Nuisance Value) سے کریں۔ ایسے کردار کے حامل لوگوں کے بارے سرکارِ مدینہ ﷺ کا فرمان ہماری رہنمائی اور آخرت کی بہتری کے لیے کافی و شافی ہے:

بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمِ.

(مسلم الصحیح - کتاب البر والصلۃ والادب-۴: ۱۹۸۶، رقم ۲۵۶۴)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔'' لہٰذا ہمیں اپنے روز مرہ معمولات میں معذور افراد کی بھلائی اور معاونت کے لئے کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھاتے رہنا چاہئے اور انہیں معاشرہ کا عضو معطل سمجھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

نہیں ہے عرش تو کچھ عرش سے کم بھی نہیں ہے دِل
یہاں نازل ہوئی ہیں تیری آیاتِ جمال آخر

پاکستان عوامی تحریک کی سینٹرل کور کمیٹی کا قیام

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے PAT کی مرکزی تنظیم میں صدر کا عہدہ ختم کردیا ہے اور تنظیمی و سیاسی امور کو چلانے کے لئے درج ذیل افراد پر مشتمل سینٹرل کور کمیٹی قائم کی ہے۔

۱۔ محترم میجر (ر) محمد سعید (چیف کوآرڈینیٹر)
۲۔ محترم خرم نواز گنڈاپور
۳۔ محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی
۴۔ محترم شیخ زاہد فیاض
۵۔ محترم محمد حنیف مصطفوی
۶۔ محترم خواجہ عامر فرید کوریجہ
۷۔ محترم فیاض احمد وڑائچ
۸۔ محترم بشارت جسپال
۹۔ محترم بریگیڈیئر (ر) مشتاق احمد
۱۰۔ محترم نوراللہ صدیقی
۱۱۔ محترم مخدوم ندیم احمد ہاشمی
۱۲۔ نمائندہ بلوچستان
۱۳۔ نمائندہ خیبر پختونخواہ

حقیقی اور موثر دعوت دین کے بنیادی تصورات و اسلوب

ڈاکٹر نعیم مشتاق☆

حقیقی اور موثر دعوت دین کے لئے ہمیں دعوت کے ان بنیادی تصورات کی طرف غور و فکر کرنا ہوگا جن کو اپنائے بغیر حقیقی نظام دعوت قائم نہیں کیا جا سکتا۔ ان بنیادی تصورات کو دعوت کے ستون کہنا بھی بے جا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ دعوت کے بنیادی تصورات سے اعراض کر کے داعیین نہ صرف دوسروں کو بلکہ اپنے آپ کو بھی دھوکا دیں گے۔ ذیل میں دعوت دین کے چند بنیادی تصورات ذکر کئے جا رہے ہیں جن سے ایک طرف ہمیں دعوت کے حقیقی مفاہیم سے آگہی ہوگی اور دوسری طرف فروغ دین کے لئے بھی آسانی میسر آئے گی۔

۱۔ زندگی حق و باطل میں ٹکراؤ سے عبارت ہے

اسلام قبول کرنے سے زندگی کی مشکلات و مصائب کا خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ اسلام ان مصائب و مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک نئے پلان اور جذبے کا نام ہے۔ یہ کہنا کہ اسلام قبول کرنے سے آئندہ زندگی بہت آرام سے گزرتی ہے، محض خام خیالی ہے۔ یہ دنیا، آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو فصل بوئی جائے گی وہی کاٹی جائے گی۔ فصل کے حصول کے لیے کسان کن مصائب و آلام کو برداشت کرتا ہے، یہ ہر شخص پر عیاں ہے۔ یہ دنیا امتحان کی جگہ ہے اور اللہ ہمیشہ مصائب و تکالیف کے ذریعے اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ کس چیز کا امتحان؟ سچائی اور کھرے پن کا امتحان۔۔۔ ایمان اور عمل کی سچائی کا امتحان۔۔۔ جذبوں اور ارادوں کی سچائی کا امتحان۔۔۔ محبت اور وفاؤں کی سچائی کا امتحان۔۔۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ. (العنکبوت: ۲)

’’کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ (صرف) ان کے (اتنا) کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی؟‘‘

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اور صاحب ایمان کو ہر میدان اور ہر محاذ پر آزمایا ہے۔ البتہ کسی کو زیادہ اور کسی کو تھوڑا آزمایا ہے۔ جس کو جتنا آزمایا ہے اسے اتنا ہی نوازا ہے۔ زندگی میں حق و باطل کی تمیز کرنے کا آسان ہنر یہ ہے کہ انسان تقابل کرے کہ اس کے طریقہ کار سے باطل قوتیں خوفزدہ ہوتی ہیں یا نہیں؟ اگر باطل قوتیں آپ کی دعوت اور اس کے طریقہ کار سے مطمئن ہوں اور یہ سمجھتی ہوں کہ ان داعیین کا اس طرح دین کا کام کرنا اُن کے مفادات کو چیلنج نہیں کرتا تو داعی کو اپنی اصلاح کی جانب متوجہ ہونا ہوگا۔ اگر استحصالی

☆ nmushtaq786@gmail.com

قوتیں آپ سے خوفزدہ ہوں، اُن کے مفادات پر کاری ضرب پڑے تو سمجھیں کہ آپ حق پر چل رہے ہیں۔

تاریخ انبیاء میں کسی بھی نبی نے یہ تعلیم نہیں دی کہ دین حق قبول کرنے سے مصائب و مشکلات ختم ہو جائیں گی حتی کہ جو اصحاب محبوب خدا ﷺ کے حلقہ غلامی میں آگئے ان کے عشق کا بھی امتحان بھی لیا گیا۔ صحابہ کرامؓ پر کفارِ مکہ کی طرف سے ہونے والے ظلم وستم سے لے کر واقعہ کربلا تک، یہ سب ایمان وعشق کا امتحان ہی تو ہے۔ جتنا عظیم امتحان ہوا، اتنے ہی عظیم مقام سے نوازا گیا۔ جسے عشق رسول ﷺ میں جتنا آگے پایا اُسے اتنا ہی اونچا مقام عطا فرمایا۔ مصائب و مشکلات ایک طرف امتحان ہیں اور دوسری طرف اپنی حقیقت میں اللہ کا فضل ہیں۔ ان سے ہمیں اپنی شخصیت کی خامیوں کا پتہ چلتا ہے۔ دل میں اللہ کے ہر وقت موجود رہنے کا احساس جاگزیں ہوتا ہے اور توکل و یقین شخصیت کا حصہ قرار پاتا ہے۔

۲۔ اسلام نقطۂ آغاز کا نام ہے

موثر اور حقیقی دعوت کے فروغ کا دوسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ اسلام نقطہ آغاز کا نام ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے انسان شرک و جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا۔ اسلام قبول کرنے سے وہ اس راستہ پر پہنچ گیا جو اسے ان تاریکیوں سے نکال کر نورالٰہی کی صحبت میں پہنچا سکتا ہے۔ اب اگلا سفر بحیثیت مسلمان کے شروع ہوتا ہے۔ یہ سفر درحقیقت مومن بننے کا سفر ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ معیارِ زندگی محض کلمہ پڑھنے سے نہیں بلکہ عملاً کلمہ کی لاج رکھنے سے بلند ہوتا ہے۔ اسلام تو کلمہ پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے مگر مومن (اپنے اصطلاحی معنی کے اعتبار سے) انسان تب تک نہیں بن سکتا جب تک وہ اپنے ظاہر و باطن میں مکمل طور پر کلمہ کی عملی تفسیر نہ بن جائے۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت کی طرف یوں رہنمائی کی گئی کہ

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰـكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ.

’’دیہاتی لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں، آپ فرما دیجیے، تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال (کے ثواب میں) سے کچھ بھی کم نہیں کرے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے۔ ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچے ہیں‘‘۔ (الحجرات ۱۴،۱۵)

لہذا اسلام لانے کے بعد مومن بننے کا سفر ہمیشہ پیشِ نظر رہے کیونکہ یہی مقصود و مطلوب ہے۔

۳۔ تعلیماتِ اسلام کی پیروی، تبدیلی کا پیش خیمہ

ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ حالات اسلام پر عمل کرنے سے ہی تبدیل ہوں گے۔ اسلام قبول کرنے کا فائدہ یہی ہے کہ انسان کی آخرت برباد ہونے سے بچ جائے مگر قبول اسلام زندگی کی ذمہ داریوں سے فرار کا نام نہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کو خصوصی نعمت سے نوازتا ہے تو پھر اس نعمت کی ناشکری پر عذاب بھی ویسا ہی شدید دیتا ہے۔ جتنی عظیم نعمت کی ناشکری اتنا ہی شدید عذاب، یہ قرآنی قانون ہے۔ حق کی روشنی (اسلام) سے قلب و باطن کو منور کرنے سے بڑی نعمت کوئی نہیں اور اس کی

شدید ناشکری یہ ہے کہ انسان اس کی عظمت کے بہانے اپنے آپ کو ساری عملی ذمہ داریوں سے فارغ سمجھے۔ محض یہ سمجھنا کہ پانچ وقت کی نماز سے حالات بدل جائیں گے، محض خام خیالی ہے۔نماز کے ساتھ جب تک معاشرتی حالات کے سدھار کی طرف ٹھوس عملی اقدامات اور عمل صالح نہ ہو تو وہ نماز بے روح ہے۔ علامہ نے اسی لیے تو کہا کہ

ے عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اسلام کو قبول کرنے کے بعد ہماری اولین ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو اسلامی اصول و نظریات کی روشنی میں احسن طریقے سے نبھائیں۔ قرآن ہماری تمام بیماریوں سے نجات کا نسخہ ہے۔ نسخے پر عمل کرنے سے ہی بیماریوں سے نجات ہوگی نہ کہ صرف محض نسخے کو عقیدت و احترام سے چوم کر اظہارِ محبت کرنے سے۔ قرآن نے کہہ دیا کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ محض لفظوں سے اظہارِ محبت نہیں بلکہ عملاً اظہار محبت سے حالات زندگی بدلتے ہیں۔

۴۔ قول و فعل میں یکسانیت

انسان کے لیے اطمینانِ قلب سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ یہ نعمت تب ملتی ہے جب انسان کا فعل اس کے قول سے مطابقت رکھتا ہو اور وہ اپنی شخصیت کے عقلی و جذباتی تقاضے بھرپور اور متوازن طریقے سے پورے کر رہا ہو۔ یہی دعوت دین کا چوتھا بنیادی تصور ہے۔ آج اسلام کی دعوت مؤثر نہیں رہی کیونکہ تبلیغی تنظیمیں قول و فعل کے تضاد میں مبتلا ہیں اور قول و فعل کے تضاد سے حقیقی اطمینان قلب نہیں ملتا۔ آج ہماری تبلیغی کاوشوں سے مسلمان تو پیدا ہو رہے ہیں مگر معاشرہ تبدیل نہیں ہو رہا۔ ہر طرف بے چینی اور پریشانی کا رواج ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی جماعتوں کے قائدین اپنی قیادت کی دکانداری چمکانے کے بجائے معاشرے میں حقیقی تبدیلی اور اسلام کے فروغ کے لیے اخلاص سے کام کریں۔ اپنی تقاریر اور تبلیغی رویوں میں معاشرتی تبدیلی کو بھی موضوع بحث بنائیں۔ اطمینانِ قلب کے لئے صرف کلمہ طیبہ پڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے عملی تقاضوں کو بھی پورا کرنا ہوگا۔

ے زبان نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حضور نبی اکرم ﷺ اور صحابہ سے بڑھ کر دین کے فروغ کے تقاضوں سے کون آگاہ ہوگا جنہوں نے ایمان کی سلامتی اور پختگی کو معاشرے کے سدھار کے ساتھ متعلق کیا۔ نہ صرف انفرادی اصلاح کے راستے پر گامزن رہے بلکہ معاشرتی و اجتماعی اصلاح کے لئے بھی جان و مال کی قربانیاں پیش کیں اور ہر لمحہ اور موقع پر اُن کے قول و فعل میں مطابقت و یکسانیت عیاں رہی۔

مؤثر دعوت اسلام کے تین اسلوب

طبیعتوں کے اعتبار سے انسانوں کی درج ذیل تین اقسام ہیں۔ ان میں سے جو کیفیت بھی دوسری کیفیات پر غالب رہتی ہے، انسانی شخصیت کا وہی عنوان ٹھہرتی ہے۔

۱۔علمی ۲۔فکری ۳۔جذباتی

۱۔ طبیعت کی پہلی قسم ''علمی'' ہے۔ علمی ذوق جب طبیعت پر غالب رہتا ہے تو انسان علمی موضوعات پر دلائل کی صحبت میں رہنے کو ترجیح دیتا ہے۔ دلائل کی نوعیت، اقسام اور ماخذ کے معاملات میں گم رہنا اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اس کی طبیعت مناظراتی ماحول سے تسکین پاتی ہے۔ دلائل کی ترتیب و تدوین سے اسے ایک طرح کا اطمینان قلب ملتا ہے۔ دوسروں میں بھی صرف انہیں ملنا پسند کرتا ہے جنہیں دلائل دینا اور دلائل پر مبنی گفتگو کرنا آتی ہو۔ یہ بات بھی تب سمجھنا گوارا کرتے ہیں جب وہ علمی

حوالوں اور علمی گفتگو کے طرز پر سمجھائی جائے۔

ایسی طبیعتوں کے افراد کے لیے اسلام کی علمی و سائنسی پیشکش بہتر ہوتی ہے۔ جب تک علم کے میدان میں اسلام کے کارنامے حوالہ جات کے ساتھ ان کے سامنے پیش نہ کیے جائیں، اپنی طبیعت کے ہاتھوں مجبور یہ لوگ ان حقائق کو قبول کرنے میں دِقت محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے گفتگو کے لیے مبلّغ کی لازماً تاریخ، قانون اور عقائد کے علمی پہلو پر مضبوط ترین گرفت ہونی ضروری ہے۔

۲۔ طبیعت کی دوسری قسم ''فکری'' ہے۔ فکری ذوق انسان کو فلسفیانہ طرزِ فکر کی جانب راغب کرتا ہے۔ ایسے لوگ دلائل کی بجائے تصورات کی صحبت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ یہ لوگ دلائل کی بجائے ان تصورات کی جانچ پڑتال کرتے ہیں جہاں سے دلائل جنم لیتے ہیں۔ یہ تخیل پسند لوگ ہوتے ہیں اور شعوری سطح پر اپنے اردگرد کے ماحول سے مشاہدے کی بنیاد پر بہت سے سوالات اکٹھے کر کے ان پر سوچ بچار کرنا پسند کرتے ہیں۔ فکری ذوق دلائل کی بجائے حکمت پر نظر رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں کے سامنے اسلام سے متعلقہ فکری موضوعات پیش کرنا بہت مفید ہے۔

اسلام انسانیت کی فکری سطح پر کیا راہنمائی مہیا کرتا ہے۔۔۔؟ اسلام فکری سطح پر دنیا کے بقیہ مذاہب اور فلسفیانہ طرز زندگی سے کس طرح بہتر ہے۔۔۔؟ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر ہر مبلّغ نہیں بول سکتا۔ اس پر بھی شدید محنت کی ضرورت ہے۔ ہمارے دینی مدارس کے نصاب میں کوئی معیاری فکری مضامین نہیں پڑھائے جاتے۔ اسلامی فکر جب تک تقابلی انداز سے پیش نہیں کی جائے گی، اس وقت تک اس کی عظمت نکھر کر سامنے نہیں آئے گی۔

۳۔ طبیعت کی تیسری قسم ''جذباتی'' نوعیت کی ہے۔ یہ لوگ اپنے جذبات کی تسکین چاہتے ہیں۔ انہیں نہ تو دلائل کی ترتیب و تدوین سے کوئی غرض ہوتی ہے اور نہ ہی یہ تصورات کی جستجو کی شعوری کوشش کرتے ہیں۔ یہ تو سب ایک ہی چیز کے عادی ہوتے ہیں کہ کسی طرح شرابِ عشق مل جائے تاکہ ساری زندگی مستی میں گزر جائے۔ ایسے لوگوں کے سامنے اسلام کی تاریخِ عُشاق پیش کرنا مفید رہتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حضور ﷺ سے تعلقاتِ عشق و محبت ان لوگوں کے نزدیک علم الکلام سے زیادہ قابل اعتبار ٹھہرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے سامنے اسلام کی مؤثر دعوت کے لیے مبلّغ کو نہ صرف خود اس موضوع پر گہری تحقیق حاصل ہو بلکہ وہ خود بھی اس شرابِ عشق سے حالت مستی میں ہو۔ اس طبیعت کے لوگ عشقِ مصطفوی ﷺ کی بدولت ہر مشکل اور مصیبت پر قابو پا لیتے ہیں۔ اسی عشق کے بارے میں علامہ نے کہا

''عشق کی ایک جست نے کر دیا قصہ تمام''

اسی عشق کو ختم کرنے کے لیے سامراجی طاقتوں نے برصغیر کے مسلمانوں پر طرح طرح کے حملے کیے۔ علامہ نے اسی جانب یوں اشارہ کیا:

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو

قادیانیت اور نجدیت جیسے فتنے برپا کرنے کا مقصد بھی روح محمد کو جسدِ امتِ مسلمہ سے نکالنا تھا۔

دعوت اسلام میں قابل ذکر نتائج حاصل نہ ہونے کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ دوسروں کی طبیعتوں کو پہچانے بغیر اپنی علمیت و فضیلت کی دھاک بٹھانے میں مصروف ہیں۔ آج کے مبلّغ میدانِ علم میں بازی جیت کر فخر محسوس کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ بعض اوقات مناظراتی گفتگو سے پرہیز کر کے بھی دل کی دنیا فتح کی جا سکتی ہے۔ دوسروں کو احساسِ شکست میں مقید کر کے ہم ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت کس طرح پیدا کر سکتے ہیں۔۔۔؟

دعوتِ اسلام کے عملی اقدامات

اسلام کی مؤثر دعوت کے لیے ضروری ہے کہ:

۱۔ ہم مختلف سوالات کے ذریعے سامع کی طبیعت کو جانچنے کی کوشش کریں کہ اس کی طبیعت علمی ہے یا فکری یا عشقی؟ تاکہ اس کے مطابق گفتگو کی جائے اور مثبت نتائج پیدا کیے جائیں۔

۲۔ مبلّغ کی علمی، فکری اور جذباتی موضوعات پر گہری تحقیق کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا بالعموم ہمارے ہاں رواج نہیں ہے۔

۳۔ گفتگو ان موضوعات سے شروع کریں جو مثبت اور باہمی متفقہ ہوں۔ ہم بالعموم اختلافی اور منفی موضوعات سے ابتداء کرتے ہیں اور پھر مثبت نتائج کی توقع رکھتے ہیں۔

۴۔ مبلّغ کو تنقید سے پرہیز کرنا چاہیے۔ دوسروں کی خامیاں ہماری خوبیاں نہیں بن سکتیں۔ اپنی خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور دوسروں کے سامنے دوسروں کی خوبیوں کو بیان کیا جانا چاہیے تاکہ معاشرے میں ایک مثبت ماحول پیدا ہو۔

۵۔ اسلام کو آج کی جدید دنیا میں فروغ دینے کے لیے روایتی طریقہ تبلیغ مناسب نہیں۔ آج جہاں Knowledge is Power کا سلوگن اختیار کرنا ہی ہے وہاں Speed is Power کے تصور کو بھی اپنانا ہوگا۔ صحیح عقیدے کے ساتھ ہم کچھوے کی چال چل رہے ہیں جبکہ مغرب اپنے عقائد ونظریات کے ساتھ خرگوش کی تیزی سے سفر کرتا ہوا (سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کے ذریعے) ہم سے بہت آگے جا چکا ہے۔ اس حوالے سے ہمیں اپنے طرزِ عمل میں بنیادی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

۶۔ اسلامی علوم کے تحفظ کو یقینی بناتے ہوئے اس کے فروغ کے لئے علمی وفکری سطح پر اقدامات کرنا ہوں گے۔

۷۔ اسلام کی تعلیماتِ امن ومحبت اور عدم تشدد کو اپنے موضوعات میں نمایاں حیثیت دینا ہوگی تاکہ اسلام اور مسلمانوں سے دہشت گردی وانتہا پسندی کے الزامات کو ختم کیا جاسکے۔

۸۔ مسلکی اختلافات ہماری ذلّت و رسوائی کا سبب ہیں۔ اس ذلت اور رسوائی کے دائرے سے نکلنے کے لیے فروعات کے جھگڑوں سے نکل کر اصولوں پر متفق ہونا ہوگا۔

اسلامی تعلیمات کے فروغ کے دوران یہ امر مبلغین، واعظین اور داعیین کے پیشِ نظر رہے کہ اسلام صرف مسلمانوں کے لیے ہی مخصوص نہیں بلکہ کل کائنات کے لیے نظامِ حیات ہے۔ لہٰذا اس کی آفاقیت، عالمگیریت اور وسعت ہمیشہ ذہن میں رہے۔ اسی صورت ہم اسلام کی حقیقی تعلیمات کے فروغ میں کماحقہ کامیاب و کامران ہوسکتے ہیں۔

اظہارِ تعزیت

گذشتہ ماہ محترم شیخ زاہد فیاض کی خالہ جان، محترم بابو محمد شوکت (کوٹ نجیب اللہ۔ ہری پور) کی بیٹی، محترم مرزا قیصر احمد (یوتھ لیگ۔ گجرات)، محترم اقبال نیاز سکھیرا (لودھراں)، محترم ملک ابراہیم (شجاع آباد) کا ماموں، محترم سید شفیق شاہ کی والدہ، محترم حافظ محمد صدیق (کینٹ لاہور)، محترم امتیاز کے بڑے بھائی محترم ایوب (آزاد کشمیر)، محترم قیصر محمود چوہان کی بیٹی، محترم حاجی اعظم (منڈی بہاؤالدین) کی زوجہ، محترم شیخ تمیزالدین (مظفر گڑھ) کی دادی جان)، محترم صوفی مسکین (گلیات) کی بیوی، محترم راؤ صغیر احمد (مظفر گڑھ) کی چچی اور محترم کرامت قادری (لاہور) کے والد محترم قضائے الٰہی سے انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی بخشش ومغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

بامقصد نظامِ تعلیم
وقت کی ضرورت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

☆ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں منعقدہ سیمینار سے شیخ الاسلام کے اس خطاب (CD#1116، 10-12-1997) کا پہلا حصہ ماہ مئی 2015ء کے شمارہ میں شائع ہوچکا ہے۔ جس میں فضیلت علم، اسلام کا تصور علم، مروجہ فرسودہ نظام تعلیم، اسلامی نظام تعلیم کے بنیادی عناصر اور عقیدہ ونظریہ کی مرکزیت کو بیان کیا گیا۔ اس خطاب کا دوسرا حصہ نذرِ قارئین ہے۔ ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین، معاون: محمد شعیب بزمی

تصور علم اور نظام تعلیم میں مقصدیت انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ ہمارا موجودہ نظام تعلیم مقصدیت سے خالی ہے۔ طلبہ سال اول سے لے کر 16 سال تک صرف پڑھتے ہی چلے جارہے ہیں، مقصد سے ہرگز آگاہ نہیں۔ جب Professional Education حاصل کرتے ہیں تو ڈاکٹر یا انجینئر بننے کی دھن سوار ہوجاتی ہے۔ مقام غور یہ ہے کہ کیا محض پروفیشنل بن جانا زندگی کا مقصد تھا۔۔۔؟ نہیں، بلکہ یہ تو روزگار کمانے کا ایک ذریعہ تھا۔ مقصدیت تو کچھ اور تقاضا کرتی ہے۔ انسان کی تخلیق کے مقصد کو اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ.

''اور میں نے جنّات اور انسانوں کو صرف اسی لیے پیدا کیا کہ وہ میری بندگی اختیار کریں''۔ (الذاریات:٥٦)

اللہ رب العزت نے انسان کی تخلیق اپنی معرفت اور بندگی کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لئے کی۔ کسی خاص ہنر/فن میں پروفیشنل بننا یہ تو وہ چھوٹے چھوٹے ذرائع ہیں جس سے انسان روزگار حاصل کرتا اور معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔

مقصدِ علم کی جہات

تعلیم کا مقصد دو جہات پر مبنی ہونا چاہئے:

۱۔ انفرادی ۲۔ اجتماعی و معاشرتی

۱۔ انفرادی مقصد

انفرادی مقصد تو یہ ہے کہ علم کے ذریعے انسانی شخصیت کے ہر ہر پہلو کی تکمیل ونشوونما ہو۔ یہ اسلام کے دیئے ہوئے تصور علم اور نظام تعلیم کی بنیادی خوبی ہے کہ اس سے انسان کی شخصیت کے ہمہ جہتی پہلوؤں کی Development ہو یعنی انسانی شخصیت کے حیاتیاتی پہلو (Biological Aspects)، عمرانی اور سماجی پہلو (Sociological Aspects)، ثقافتی پہلو Cultural Aspects، نفسیاتی پہلو Psychological Aspects، انفسی پہلو، ماورائی

پہلو Transcendental Aspects، Moral & Intellectual Aspects اور Spiritual Aspect کی بھی تعلیم کے ذریعے نشوونما، ارتقاء و تکمیل ہو۔

انسان کی شخصیت بذاتِ خود ایک کائنات ہے۔ وجود انسان میں آسمان سے لے کر زمین تک اور فرش سے لے کر عرش تک خدا کی ساری کائنات ایک Single Whole unit کے طور پر بند ہے۔ ملائکہ کی حقیقت بھی انسان میں ہے۔۔۔ شیطان کی حقیقت بھی انسان میں ہے۔۔۔ عرش معلیٰ کی حقیقت بھی انسان میں ہے۔۔۔ اس فرش اور تحت الثریٰ کی حقیقت بھی انسان میں ہے۔ اس لئے کہ انسان ناصوتی بھی ہے۔۔۔ ملکوتی بھی ہے۔۔۔ لاہوتی بھی ہے۔۔۔ جبروتی بھی ہے۔۔۔ ہاہوتی بھی ہے۔ انسان کی شخصیت کا گوشہ کہیں مادہ سے ملتا ہے۔۔۔ کہیں روح سے ملتا ہے۔۔۔ کہیں عالم ملکوت سے ملتا ہے۔۔۔ کہیں ورائے عرش سے ملتا ہے۔ یہ وہی انسان ہے جو کبھی مکہ اور مدینہ کی گلیوں میں چلتا ہے۔۔۔ اور کبھی معراج کی رات بیت المقدس پر ملائکہ و انبیاء کی امامت کرواتا ہے۔۔۔ یہ وہی انسان ہے جو کبھی سدرۃ المنتہیٰ سے گزر جاتا ہے۔۔۔ یہ وہی انسان ہے کہ جبرائیل تکتے رہ جاتے ہیں اور وہ اس سے آگے لامکان میں چلا جاتا ہے۔ الغرض انسان رشکِ ملائک ہے۔ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر شے کا انعکاس (Reflection) انسان کی حقیقت میں ہے۔ اسلام کا مقصود انسانی شخصیت کے ہر ہر گوشے کی علم اور نظام تعلیم کے ذریعے متناسب نشوونما و ارتقاء ہے۔ اسی لئے آقا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لارهبانية في الاسلام.

''اسلام میں رہبانیت نہیں ہے''۔

(عجلونی، کشف الخفاء، ج۲،ص۵۱۰، رقم ۳۱۵۴)

اگر کوئی چاہے کہ میں نے خدا کو منانا ہے اور دنیاوی فرائض چھوڑ کر غاروں میں چلا جائے تو یہ اسلام نہیں بلکہ مسیحیت ہے۔ کسی صحابیہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرا شوہر بڑا نیک ہے، ساری رات اللہ کی عبادت کرتا ہے، دن کو روزے رکھتا ہے، آپ ﷺ نے اس کے شوہر کو طلب کرلیا اور فرمایا: ساری رات کھڑے ہوکر نفل پڑھنا، دن کو روزے رکھنا، یہ کمالِ انسانیت نہیں۔ تیری زوجہ کا، تیرے جسم کا اور رب کا تجھ پر حق ہے، لہٰذا ان حقوق کی ادائیگی کے لئے اپنی شخصیت اور اپنے نظام الاوقات کو تقسیم کرو۔

علم جدوجہد کی بنیاد مہیا کرتا ہے کہ اس معاشرے میں موجود طبقات کس کیلئے زندہ رہیں گے اور کس کیلئے مریں گے۔ صرف کمائی کیلئے پڑھنا مقصود علم نہیں ہے

پس اللہ تعالیٰ نے انسان کی شخصیت کے اندر جو مختلف گوشے رکھے ہیں، ان کی متناسب نشوونما (Proportionate developement) ہو تو یہ اسلامی تربیت ہے۔ انسانی شخصیت میں مادی گوشہ بڑھ جائے تب بھی غیر اسلامی اور اگر روحانی گوشہ بڑھ جائے، جس سے مادی ضرورتوں کی تکمیل دب جائے تو یہ بھی غیر اسلامی ہے۔ گویا اگر شخصیت کے سارے گوشے متناسب طریقے سے ترقی پائیں تو یہ ترتیب اسلامی نشوونما ہوگی، اسی کو نظام تعلیم کہتے ہیں۔ آقا علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کی، جو جماعت تیار کی وہ دن کو گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہوتے اور باطل کو للکارتے تھے جبکہ رات کو مصلے پر قیام کرتے اور نفس کو پامال کرتے تھے۔ رات کو ان کا جہاد نفس کے خلاف شروع ہوجاتا جبکہ دن کو فروغ اسلام کے لئے جدوجہد کرتے نظر آتے۔

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر حاصل

کی گئی مملکت خداداد پاکستان میں وہ نظام تعلیم چاہئے جو ان کو سائنسدان، ٹیکنالوجی کا ماہر، ڈاکٹر، بیالوجسٹ، ایمبر یالوجسٹ، اسٹانومسٹ بھی بنائے اور ان تمام سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ ان کو اخلاقی و روحانی اعتبار سے حقیقی مرد مومن بھی بنائے۔ پاکستان کے نظام تعلیم میں موجود خامیاں و خرابیاں درحقیقت عالمی سامراجی طاقتوں کی سازش ہے جس کے ذریعے وہ مسلمان قوم کو ان کی راہ اور منزل سے ہٹانے اور بہکانے میں مصروف عمل ہے۔ افسوس ہمارے نوجوان کو خبر نہ رہی۔

کبھی اے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ

ہمارے نوجوان طالب علم کی منزل بلنداور رفیع تھی۔ اس کا مقام یہ تھا کہ اس نے اپنے سیرت و کردار کی بدولت دنیا کی امامت کا فریضہ سرانجام دینا تھا مگر افسوس کہ آج نہ صرف نوجوان طالب علم بلکہ پوری قوم کی گردن میں غلامی کا طوق ڈال کر پوری قوم کا مستقبل تاریک کیا جارہا ہے۔ اس غلامی اور ذلت کے دور کے خاتمہ کے لئے قومی و اجتماعی سطح پر ہر شعبہ میں عظیم مقاصد کا تعین کرنا ہوگا، نظام تعلیم کو حقیقی مقصدیت کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا اور اس میں بنیادی تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

۲۔ اجتماعی و معاشرتی مقصد

تعلیم کے مقاصد کی دوسری جہت کا تعلق اجتماعی معاشرتی زندگی سے ہے۔ علم جس طرح فرد میں انقلاب لاتا ہے اسی طرح اسلام کا نظام تعلیم معاشرے کو بھی ایک کردار عطا کرتا ہے۔ ہمارا موجودہ نظام تعلیم اجتماعی معاشرتی زندگی میں مثبت کردار پیدا کرنے کی صلاحیت سے بھی عاری و خالی Character Less ہے، نتیجتاً اس کی پیداوار (Products) بھی Character less ہیں، کوئی منزل و مقصد نہیں۔

ڈگریاں لینا، نوکری اور روزگار کی تلاش کرنا یہ تو تعلیم کے ذریعے انسان کے صرف اور صرف مادی پہلو کی تکمیل ہے۔ باقی معاملات کہاں گئے؟ نیز موجودہ نظام تعلیم تو روزگار فراہم کرنے سے بھی قاصر نظر آتا ہے اور روزگار فراہمی کے تقاضے بھی پورے نہیں کررہا۔ 15/16 سال کی تعلیم کے بعد یہ نظام تعلیم تو بے روزگار افراد پیدا کرکے انہیں سڑکوں پر دھکے کھلا رہا ہے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی ان پڑھ، جاہل، غنڈے، بدمعاش اور MPA، MNA کی سفارش کے لئے ان کے دروازے پر بھکاری بنا کر کھڑا کررہا ہے۔ جن کو انگوٹھا لگانا نہیں آتا ان جاہلوں کے سامنے انجینئرنگ اور ڈاکٹر کی ڈگری لے کر آج پاکستان کا گریجوایٹ نوجوان نوکری کی بھیک مانگنے کے لئے سوالی بن کر جاتا ہے۔ ایسے نظام سیاست پر لعنت ہے، اس سے بڑھ کر اس معاشرے میں علم کی تضحیک و تذلیل کیا ہوگی۔

پاکستان کے آئین میں ممبران اسمبلی کی اہلیت و نااہلیت (Qualification & Disqualification) کے لئے آرٹیکل 62، 63 موجود ہے۔ یہ الگ بات کہ ان پر بھی عمل نہیں ہورہا، مفادات کی وجہ سے آپس میں مل جاتے ہیں مگر اس آرٹیکل اور آئین میں کہیں پر بھی ممبران پارلیمان کی اہلیت کے لئے تعلیم کی پابندی کا ذکر نہیں۔ ممبر پارلیمنٹ، MPA، MNA سینیٹر، وزیراعظم اور وزیر اعلیٰ بننے کے لئے ہمارا آئین تعلیمی معیار کو بیان ہی نہیں کرتا۔ اگر کسی دفتر کا چپڑاسی بھی مقرر ہونا ہو تو چپڑاسی کی تقرری کے لئے بھی کچھ نہ کچھ تعلیم کی شرط ہے مگر قانون ساز، سینیٹر اور ممبر پارلیمنٹ بننے کے لئے پرائمری پاس ہونے کی بھی شرط نہیں ہے بلکہ ان کے لئے شرط غنڈہ، بدمعاش، جاگیردار، سرمایہ دار اور اسمگلر ہونا ہے۔ جس کے پاس یہ خوبیاں ہیں اگرچہ اسے علم کی الف ب بھی نہ آتی ہو، جاہل ہو مگر وہ ممبر

پارلیمنٹ بن کر اسمبلی میں بیٹھنے کا اہل ہوتا ہے اور قوم کے مقدر سے کھیلنے کی اسے آزادی میسر ہوتی ہے۔

جس طرح نظام تعلیم اور علم کے ذریعے انسان کو انسان بنانا اور ایک مضبوط کردار دینا مقصود ہے اسی طرح معاشرے کو بھی ایک باوقار کردار رکھنے والا معاشرہ بنانا ہے۔ جو نظام انسان کو اور معاشرے کو سیرت و کردار سے آشنا نہیں کرتا وہ نظام تعلیم اسلام میں مسترد ہے۔ جو نظام تعلیم وحدت نسل انسانی کا تصور نہ دے، اسلام ایسے نظام تعلیم کو رد کرتا ہے۔ یہ نظام تعلیم کا فقدان ہے کہ آج سندھی، پنجابی، بلوچ، پختون، پٹھان اور سرائیکی کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اس لئے کہ ہم نے اپنی وحدت کو اسلام کے حوالے سے منسلک کرنے کی بجائے اپنی زبان سے منسلک کردیا یا جغرافیائی یونٹ کے ساتھ منسلک کردیا یا نسل کی وفاداری سے منسلک کردیا یا معاشی وفاداریوں کی گروہ بندیوں سے منسلک کردیا حالانکہ ان گروہ بندیوں کا قلع قمع تاجدار کائنات ﷺ نے آج سے 14 سو سال قبل خطبہ حجۃ الوداع میں یہ فرما کر کردیا تھا کہ

فلیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی. ولا لاسود علی ابیض ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقوی.

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸:۱۲، رقم:۱۶)

کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر برتری حاصل ہے۔ ساری برتریاں، تقویٰ، کردار و عمل پر مبنی ہیں۔

ہم نے اسلام کی عطا کردہ شناخت، امتیاز اور وحدت کی بنیادوں کے تصورات کو بھلایا اور اس کے بعد ہم چھوٹی چھوٹی محدود وفاداریوں میں تقسیم اور منتشر ہوگئے۔ یہ نظام تعلیم کا فقدان ہے کہ اس سے وہ سوچ پیدا نہیں ہورہی جو قوم کو ایک قوم بنا سکے اور ایک وحدت میں منسلک کرسکے۔ نظام تعلیم معاشرے کو اس کی شناخت و پہچان عطا کرتا ہے۔ بطور مسلمان ہمارا نظام تعلیم وہی ہوگا جو ہماری شناخت و پہچان رسول اللہ ﷺ کی غلامی اور ان کی اتباع کو قرار دے گا۔

ہماری بقاء مصطفوی نظام میں ہے

اتباع و اطاعت مصطفیٰ ﷺ یہ ہے کہ آقا ﷺ کی سیرت و سنت اور ان کے عطا کردہ نظام کے سوا کسی اور نظام کو بطور نظام قبول کرنے کی گنجائش نہ رہے۔ آج مختلف ازم کی بات ہوتی ہے، اسلام کے ہوتے ہوئے ہم مختلف نظام اور فلاسفی کو اپنانے کی بات کرتے ہیں، کیا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ اسلام اور رسول پاک ﷺ کا عطا کردہ نظام اور قرآن کا دیا ہوا فلسفۂ زندگی Outdated ہوگیا یا قابل عمل Workable نہیں رہا یا ہماری جدید نئی نسل اور دور حاضر میں ہونے والی ترقی کا ساتھ دینے کے قابل نہ رہا۔۔۔؟

افسوس اگر اس تصور کے پیش نظر ہم نے اسلام کو ایک طرف رکھ دیا اور دیگر نظاموں کو قبول کرلیا تو گویا ہم نے تاجدار کائنات ﷺ کی غلامی کا پٹا گلے سے اتار کر بالواسطہ نبوت و رسالت محمدی ﷺ کے خلاف بغاوت کردی۔ اگر ہم اتباعِ رسالت محمدی ﷺ پر اپنی وفاداری کو ایک جگہ مرکوز رکھتے تو پھر حضور ﷺ جو دین ہمیں دے گئے اس کے بعد کسی اور نظام کو آزمانے اور جانچنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے کہ اسلام کا دیا ہوا نظام ہی جدید نظام ہے، جو ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ یہ اتنا عظیم نظام ہے کہ دنیا کے سارے فلسفے اور علم کی دنیا کے جملہ ارتقاء آج تک عظمتِ فکرِ محمدی ﷺ کے مقام تک نہیں پہنچ پائے بلکہ راستے میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ جب ہر انسانی علم اور فلسفہ اپنے کمال پر پہنچے گا تو حضور ﷺ کے عطا کردہ نظام کی دہلیز پر سجدہ ریز ہوجائے گا۔ افسوس!

آج کی نوجوان نسل کو بتایا نہیں گیا کہ آپ کا نظام کیا ہے۔۔۔؟ مرکزِ وفاداری کیا ہے۔۔۔؟ اگر بتایا گیا تو اس کی حقیقت اور حسن سے آشنا نہیں کرایا گیا کہ آیا یہ آج کی ضرورت کو پورا کرتا ہے کہ نہیں۔

دنیا میں سب سے پہلے باقاعدہ تحریری آئین حضور نبی اکرم ﷺ نے میثاق مدینہ کی صورت میں عطا فرمایا۔ دنیا کی کوئی ریاست باقاعدہ کسی آئین پر قائم نہ ہوئی تھی۔ سب سے پہلی ریاست جو باقاعدہ ایک آئین پر قائم ہوئی وہ ریاست مدینہ ہے۔

(تفصیل کے لئے شیخ الاسلام کی تصنیف "میثاق مدینہ کا آئینی تجزیہ" ملاحظہ فرمائیں)

آج انسانی حقوق کی بات کی جاتی ہے اور مغرب اس کا بانی بن کر سامنے آتا ہے لیکن اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مغربی دنیا میں انسانی حقوق کی تاریخ دو اور تین صدیوں سے آگے نہیں جاتی۔ انسانی حقوق کی بحالی کی جس تاریخ اور کاوش پر اقوام متحدہ اور مغرب فخر کر رہا ہے، یہ تمام حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور نبی اکرم ﷺ نے اس وقت عطا فرمادیئے تھے، جب کسی کو اس کی خبر ہی نہ تھی۔

(تفصیل کے لئے شیخ الاسلام کی تصانیف "اسلام میں انسانی حقوق" اور "مقدمہ سیرت الرسول ﷺ" (دو جلدیں) ملاحظہ فرمائیں)

ہماری بدبختی ہے کہ ہمیں اپنی منزل اور اپنے سرچشمے سے بھی کاٹ دیا گیا۔ اگر آج ہمارا نظام تعلیم اسلام کے تصور علم کے فیض سے سیراب ہوا ہوتا تو ہمیں یہ خبر ہوتی کہ آقائے دو جہاں ﷺ نے دنیا کو خطبہ حجۃ الوداع کی شکل میں ایک ایسا New World order عطا فرمایا تھا کہ جس کے بعد کسی ورلڈ آرڈر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ اس کے ذریعے آپ ﷺ نے سارے استحصالی اور ظالمانہ اصول اور قوانین کے خاتمے کا اعلان کیا اور ہر ایک طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو اُن کے حقوق بہم پہنچانے کو لازمی قرار دیا۔

(تفصیل کے لئے شیخ الاسلام کی تصانیف "اسلام میں انسانی حقوق" اور "مقدمہ سیرت الرسول ﷺ" ملاحظہ فرمائیں)

آج امن عالم کے نام پر غریب اقوام کا امن اور جینے کا حق ان سے چھینا جارہا ہے۔ عالمی دہشت گردی کے ذریعے غریب اقوام کی ثقافت چھینی جارہی ہے، نظریہ چھینا جارہا ہے، دین و مذہب، سیاسی و اقتصادی آزادی چھینی جارہی ہے، کیا اس کا نام امن عالم کا قیام ہے۔۔۔؟ امن عالم کے قیام کے حقیقی اقدامات تو وہ تھے جس کا اعلان آقا علیہ السلام نے یہ کہہ کر فرمایا:

یا ایها الناس ان دماؤکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا.

(صحیح مسلم کتاب القسامۃ، ج۳، ص۱۳۰۶، رقم ۱۶۷۸)

یعنی انسانوں کا خون، ان کی جان، ان کا مال، عزت و آبرو اس طرح مقدس کر رہا ہوں جیسے خدا کا گھر کعبہ مقدس ہے۔ جس طرح ذوالحجہ کا مہینہ اور ایام حج مقدس ہیں۔ گویا آپ ﷺ نے عالمی انسانی مساوات کا نظام دیا۔۔۔ استحصالی نظام کو ختم کیا۔۔۔ زیر دست اور افلاس زدہ انسانیت کے حقوق متعین کئے۔۔۔ غلامی کے خاتمے کی بنیاد رکھی۔۔۔ معاشرتی انصاف کو فروغ دیا۔۔۔ قیدیوں کے قتل کے قانون کو ختم کر کے قیدیوں کے حقوق مقرر فرمائے۔۔۔ معاشی ناہمواریوں اور ناانصافیوں کا قلع قمع کیا۔ الغرض ہر جہت سے جدید نظام کی بنیاد رکھی۔

علم، مصطفوی انقلاب کی بنیاد

آپ ﷺ نے اس عظیم انقلاب کی بنیاد علم پر قائم کی۔ جب غزوہ بدر کے موقع پر 70 کافر قیدی ہوئے تو 4 ہزار درہم ان کی رہائی کے لئے رقم مختص کی

گئی کہ جو شخص 4 ہزار درہم دے، اس کو آزاد کردیا جائے گا۔ خواہ مکہ کی ریاست ادا کردے یا وہ خود اپنے پاس سے ادا کردے۔ ریاست مدینہ اس وقت مالی لحاظ سے کمزور تھی، وسائل کی ضرورت تھی، 70 قیدی تھے، 4 ہزار درہم فی کس سے ایک معقول رقم آتی تھی مگر اتنی معقول رقم کے مقابلے میں آپ ﷺ نے علم اور تعلیم کی اہمیت واضح کرنے کے لئے اعلان فرمایا کہ 4 ہزار درہم ہر جنگی قیدی کی رہائی کا زرفدیہ ہے مگر جو جنگی قیدی میری ریاست مدینہ کے دس دس بچوں کو تعلیم دے دے، اُسے بغیر زرفدیہ آزاد کردیا جائے گا۔

(ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۲، ص۲۲، رقم ۳۱۵۴)

یہ تعلیمی انقلاب کی تحریک تھی جس کا حضور ﷺ نے آغاز فرمایا۔ آپ ﷺ کی بعثت تو اُمّی قوم میں ہوئی مگر آپ ﷺ نے جہالت کے اندھیرے دور فرماتے ہوئے علم کے نور سے معاشرے کو منور فرمادیا۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ.

”وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے“۔ (الجمعہ:۲)

عرب اپنے ان پڑھ اور پڑھے لکھے نہ ہونے پر فخر کرتے تھے اور لکھنا پڑھنا جرم سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس اُمّی قوم میں ایسا تعلیمی انقلاب بپا کردیا کہ ابھی ایک صدی بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ عالم اسلام شرق سے غرب تک ساری کائنات انسانی میں علم کا امام بن گیا۔ 1000 سال تک یہ کیفیت رہی کہ سپین، قرطبہ، غرناطہ، بغداد، مصر، دمشق، نیشاپور الغرض تمام عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں ہمہ جہتی تعلیم کے حصول کے لئے شرق سے غرب تک کے لوگ آتے۔

ہمیں بحیثیت قوم ایک ایسا نظام تعلیم درکار ہے جو ایک طرف ہمیں دور حاضر کے چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کیلئے تیار کرے اور دوسری طرف ہمارے نوجوانوں کو اخلاقی و روحانی اعتبار سے مرد مومن بھی بنائے

اتنی ترقی ہوئی کہ بالآخر آج کے مغربی رائٹرز، سکالرز، مورخین بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس امر میں قطعی کوئی شبہ نہیں کہ یورپ کی سائنسی فکر پر اسلامی سائنسی فکر کا گہرا اثر ہوا۔ مغرب کی اس علمی نشاۃ ثانیہ پر دیگر کئی اثرات بھی مرتب ہوئے۔ مگر بنیادی طور پر سب سے گہرا اثر سپین سے آیا۔ پھر اٹلی اور فلسطین کی جانب سے اثرات مرتب ہوئے۔ مغربی ممالک کے لوگ مسلم ثقافت اور سائنسی اسلوب سے روشناس ہوئے۔ بعد ازاں سارا وسطی اور مغربی یورپ سائنسی ثقافتی تہذیبی اور فنی ترقی کی منزلوں پر گامزن ہوا اور یہ سب اسلام، اسلام کے تصور علم اور نظام تعلیم کا فیض تھا۔

(تفصیل کے لئے شیخ الاسلام کی تصنیف ”مقدمہ سیرت الرسول ﷺ“ ملاحظہ فرمائیں)

بدقسمتی کہ ہم نے وہ راہ، کردار، بنیاد اور منزل چھوڑ دی۔ نتیجتاً وہ علم جو اسلام کی سرزمین سے مغربی دنیا میں منتقل ہوا وہاں فروغ پانے لگ گیا اور ہم رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوکر آج اس مقام کو جا پہنچے کہ جدید علوم کے حصول کے لئے انہی ممالک کا سفر کرتے نظر آتے ہیں۔ آج ہمارے اندر نہ وہ جذبہ رہا، نہ وہ خواہش رہی اور نہ مستقبل کو اپنے قبضے میں لینے کی لگن رہی۔ اس کی وجہ یہ

ہے کہ آج حکمران اور لیڈر نوجوان نسل کو بے مقصد و بے شعور زندگی اور تاریک مستقبل کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ انہیں ایک پرعزم اور ایک عظیم مستقبل کے لئے وہ نظام نہیں دیا جارہا جو عظیم مستقبل کا ضامن ہو۔ اسلامی نظام تعلیم معاشرے میں جہاں سائنسی ترقی، ماحول کی تسخیر اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی طرف دعوت دیتا ہے وہاں انسانوں کے دلوں کی تسخیر، اخلاقیات اور روحانیات کی ترقی بھی چاہتا ہے۔ اسلام میں علم اور نظام تعلیم افراد کو روحانی الذہن بنانا چاہتا ہے کہ ان کے اندر اخلاقیات و روحانیت موجود ہو۔ افسوس ہمارے موجودہ نظام تعلیم سے اخلاقیات، روحانیت کی جڑیں کٹ گئیں اور ہمارے علم اور نظام تعلیم میں اخلاق اور روحانیت کی کوئی بنیاد باقی نہ رہی۔

اسلام کا نظام علم اور اسلام کا نظام تعلیم ایتائے حقوق کا جذبہ پیدا کرتا ہے جبکہ ہمارا موجودہ نظام تعلیم حقوق کے مطالبہ پر مبنی ہے اور فرائض کی ادائیگی کا تصور اس میں سے ختم ہوکر رہ گیا ہے۔ نتیجتاً علم وہ شعور زندگی نہیں دے رہا جس شعور کے ساتھ معاشرے تشکیل پاتے ہیں۔

علم جدوجہد کی بنیاد مہیا کرتا ہے کہ اس معاشرہ میں موجود طبقات کس کے لئے زندہ رہیں گے اور کس کے لئے مریں گے؟ صرف کمائی کے لئے پڑھنا، مقصود علم نہیں ہے۔ علم اور نظام تعلیم کا یہ مقصد ہے کہ ساری معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کیا جائے گا۔۔۔ ناانصافی کا خاتمہ کیا جائے گا۔۔۔ ظلم کو مٹایا جائے گا۔۔۔ استحصال کو مٹایا جائے گا۔۔۔ جبرو بربریت کو مٹایا جائے گا۔۔۔ حقوق کی بحالی ہوگی۔۔۔ اسلام کی سربلندی ہوگی۔۔۔ معاشرے کے وہ سارے ناپاک عزائم جو ہم سے اسلام اور اسلامی کردار کو چھین رہے ہیں، ان کے خلاف صف آراء ہوکر علمی وفکری جنگ کرنا ہوگی۔ یہ غیر مسلح انقلابی جنگ اس وقت تک جب تک ظالم سامراجی طاقتیں خس و خاشاک کی طرح بہہ نہیں جاتیں۔

ان مقاصد کو ذہن میں رکھ کر طلبہ و طالبات کو علم کے بنیادی اہداف مقرر کرنا ہوں گے۔ اس صورتِ حال میں نظام تعلیم کو از سرِ نو استوار کرنا ناگزیر ہے، اس لئے کہ یہ غلام پیدا کرنے والا نظام ہے۔۔۔ یہ نظام تعلیم نہیں بلکہ نظام جہالت ہے۔۔۔ یہ نظام ہدایت نہیں بلکہ نظام ضلالت ہے۔ ہمیں وہ نظام چاہئے جو ہمیں اس ملک کی تخلیقی بنیاد سے آگاہ کرسکے۔ ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جو جری، جرأت مند اور آزاد قوم کو تشکیل دے سکے۔ وہ آزاد قوم کہ جس کی تقدیر عالمی طاقتوں کے مرہون منت نہ ہو بلکہ گنبد خضریٰ کے سائے میں لکھی جائے۔ جس کا قبلہ کعبۃ اللہ ہو۔۔۔ جس کا نظام آئینِ قرآن ہو۔۔۔ جس کا نظام سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہو۔۔۔ جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے سوا کسی اور کی بندگی اور غلامی و وفاداری اختیار نہ کرے۔ ایسے مردان حر جس نظام سے پیدا ہوں گے، وہی نظام تعلیم اسلام کا ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اپنی منزل اور شعورِ مقصد سے آشنا کردے تاکہ ہمارا جینا مرنا اللہ کے لئے ہوجائے۔ اسی کی تلقین ہمیں صحیفہ انقلاب میں ان الفاظ کے ذریعے کی گئی ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ. (الانعام: ۱۶۲)

’’فرما دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے‘‘۔

فروغ امن اور انسداد دہشت گردی کے
اسلامی نصاب کی اسلام آباد میں تقریب رونمائی

رپورٹ: محمد شعیب بزمی

معاشرے سے انتہاء پسندی اور دہشت گردی کے خاتمہ اور معاشرہ کو امن وسلامتی، تحمل و برداشت، رواداری اور ہم آہنگی کا گہوارہ بنانے کی غرض سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اسلامی نصاب برائے فروغ امن و انسداد دہشت گردی مرتب کیا ہے۔ عالمی سطح پر اس نصاب کی تقریب رونمائی 23 جون 2015ء کو لندن میں ہوئی جہاں یورپ بھر میں شیخ الاسلام کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے اسے وقت کی ضرورت قرار دیا گیا۔ گذشتہ ماہ اس امن نصاب کی تقریب رونمائی پاکستان میں میریٹ ہوٹل اسلام آباد میں 29 جولائی 2015ء کو منعقد ہوئی۔ جس میں ماہرین تعلیم، سیاست دان، سول سوسائٹی کے ممبران، کالجوں، یونیورسٹی کے نمائندگان، انٹرفیتھ ریلیشنز کے راہنماؤں اور جملہ طبقات زندگی کے نمایاں افراد نے شرکت کی۔

اس پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن مجید اور نعت رسول مقبول ﷺ سے ہوا۔ محترم خرم نواز گنڈا پور نے نقابت کے فرائض سرانجام دیئے اور استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے امن نصاب کی اہمیت اور غرض و غایت پر روشنی ڈالی۔ استقبالیہ کلمات کے بعد شرکاء کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے دہشت گردی کے خلاف اور فروغ امن کے لئے دنیا بھر میں منعقدہ مختلف پروگرامز کے Clips پر مشتمل ڈاکومنٹری دکھائی گئی جسے جملہ شرکاء نے بے حد سراہتے ہوئے عالمی سطح پر اسلام کی حقیقی تعلیمات اور امن کے فروغ کے لئے شیخ الاسلام کی کاوشوں کو خراج تحسین پیش کیا۔

بعد ازاں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے فروغ امن اور انسداد دہشت گردی کے خلاف امن نصاب کی تقریب رونمائی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

”آج نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کے لئے بہت بڑا چیلنج دہشت گردی ہے۔ افسوس دہشت گردی کو آج اسلام اور جہاد سے جوڑا جارہا ہے۔ فروغ امن اور انسداد دہشت گردی کے اسلامی نصاب کو پیش کرنے کا مقصد مسلم و غیر مسلم ہر فرد کو اسلام کی اصل تعلیمات سے روشناس کروانا ہے۔ دہشت گردی کے فروغ کے متعدد اسباب ہیں۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی، نظریاتی، ان تمام اسباب کا قلع قمع کرنے سے ہی دہشت گردی کا خاتمہ ممکن ہے۔ پاکستان بناتے وقت لاکھوں لوگوں نے قربانیاں دیں۔ ایک اچھا معاشرہ بنانے کے لئے، معاشی طور پر خود کو بہتر کرنے کے لئے، معاشرے میں پیار و محبت اور امن و آشتی کے حصول کے لئے انہوں نے اپنا گھر بار سب کچھ چھوڑا مگر ان لوگوں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ سیاسی طور پر حکومتیں عوام کو عدل و انصاف فراہم کرنے میں ناکام ہوئیں۔ لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کیا گیا۔ یہاں انصاف

نام کی کوئی چیز نہیں، ہر طرف بدامنی ہے جس کی وجہ سے ملک کے حصول کا مقصد بے معنی ہوگیا ہے۔

آج ہم دہشت گردوں کے قلع قمع کی بات تو کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کو دہشت گرد بنایا کیسے گیا؟ دہشت گردی تن آور درخت کی شکل کیسے اختیار کرگئی؟ اس موضوع کو Discuss ہی نہیں کیا جاتا حالانکہ اصل ذمہ دار وہ ہیں جو بیج بوکر درخت تیار کرتے ہیں، ان کے خاتمے کے لئے بھی جنگ کرنی ہوگی۔ یہ جنگ بھی پاک فوج لڑے گی، اس لئے کہ اس ملک کی نام نہاد قیادت کو صرف اور صرف اپنے سیاسی مفادات عزیز ہیں اور وہ اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے دہشت گردی کے بیج بونے والوں کے خلاف کبھی ایکشن لے ہی نہیں سکتے۔ یاد رہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کے ذریعے ہم کسی اور کی نہیں بلکہ اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف اور فروغ امن کے حوالے سے تعلیمی اداراں اور مدرسوں کا کردار بھی سوالیہ نشان ہے۔ میں ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ ہمارے تعلیمی اداروں کے نصاب میں شروع سے لے کر آخر تک امن کے موضوع پر پڑھایا ہی نہیں جاتا اور نہ دہشت گردی کے خلاف پڑھایا جاتا ہے۔ اس نصاب کو ترتیب دینے کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ تعلیمی اداروں کے نصاب میں انقلابی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

ہمیں اپنے نصاب میں معاشرتی وسماجی انصاف کو بھی بطور مضمون پڑھانا ہوگا۔ ہمارے معاشرے میں ناانصافی کی ایک المناک مثال 17 جون 2014ء کو ماڈل ٹاؤن کا واقعہ ہے جس میں بے گناہوں کا خون ریاستی دہشت گردی کی وجہ سے ہوا مگر ایک سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود ابھی تک انصاف نہیں دیا گیا۔ اس سانحہ پر جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کو آج تک منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ اگر کوئی رپورٹ حکومت کے حق میں ہو تو اس کو فوری شائع کردیا جاتا ہے۔ حکمران ہی دہشت گرد ہوجائیں تو اس ملک میں مظلوم انصاف کی توقع کس سے کریں۔ ہمیں معاشرے میں انصاف کے فروغ کے لئے بھی کوشش کرنی ہوگی اور عدل و انصاف کی تعلیمات کو بطور مضمون نصاب میں شامل کرنا ہوگا۔

یہاں 20 نکاتی نیشنل ایکشن پلان بنایا گیا مگر افسوس اس کو ابھی تک اسمبلی سے منظور کرواکر قانونی حیثیت نہیں دی گئی۔ ان 20 نکات میں سے اسمبلی میں صرف فوجی عدالتوں کو منظور کیا گیا۔ بقیہ 19 نکات پر ابھی تک عمل درآمد نہیں ہوا۔ غیر ملکی فنڈنگ ابھی تک ہورہی ہے اور تمام کالعدم تنظیمات ابھی تک قائم ہیں۔ ہمیں دہشت گردوں کے وسائل کو روکنا ہوگا اور غیر ملکی فنڈنگ کا سدباب کرنا ہوگا۔ دہشت گرد گروپوں نے طاقت کے حصول اور مالی مفادات کی خاطر اسلام کو بدنام کیا، دہشت گردوں کو قتل و غارت گری اور فساد برپا کرنے کیلئے اربوں روپے کے فنڈز دیئے جاتے ہیں جو بدقسمتی سے ابھی تک جاری ہیں۔ شریعت اور جمہوریت کے نام پر بیرون ملک سے ہونے والی فنڈنگ پاکستان کو تباہ کررہی ہے، غیر ملکی فنڈز لینے والوں کو پھانسیاں دی جانی چاہئیں۔ دہشت گردی کی جنگ اور قومی ایکشن پلان کے حوالے حکومتی غیر سنجیدگی افسوس ناک ہے، حکومت اپنے رویے سے ظاہر کررہی ہے کہ جیسے یہ جنگ صرف فوج کی ہے۔ فوجی آپریشن دہشت گردی کے خاتمے کا محض ایک پہلو ہے جب تک سیاسی، سماجی اور معاشی سطح پر انصاف نہیں ہوگا، یہ جنگ جیتی نہیں جاسکتی۔

حکمرانوں کی طرف سے محض بیانات دیئے جارہے ہیں۔ عملدرآمد کسی ایک بھی نقطہ پر نہیں ہوا۔ قوم کے ساتھ گھناؤنا کھیل کھیلا جارہا ہے۔ انہیں نکات میں سے ایک یہ تھا کہ تمام مدارس رجسٹرڈ ہوں گے، کیا اس نکتہ پر عملدرآمد ہوا؟ نہیں، اس لئے کہ ان کے ساتھ مک مکا ہوگیا ہے۔ یہاں تو اسمبلی کے چار ووٹوں کی خاطر ملک گروی رکھ دیا جاتا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ صرف افواج پاکستان لڑ رہے ہیں اور کوئی بھی اس جنگ کو نہیں لڑ رہا۔ اس ملک میں ایک

ضرب عضب اور بھی چاہئے جو معاشی و سیاسی انصاف دے سکے۔ جب تک سکولوں، کالجوں، مدرسوں کا ماحول امن دوست نہیں ہوگا، معاشی، سیاسی سماجی نا انصافی کا خاتمہ نہیں ہوسکتا۔ تعلیم، صحت، روزگار کی بنیادی سہولتیں نہیں ملیں گی، سوشل اور لیگل جسٹس نہیں ملے گا تو ردعمل میں انتہا پسندی اور دہشت گردی فروغ پائے گی۔

میں نے 2010ء میں دہشت گردی کے خلاف فتویٰ لکھا تو اس وقت سوچا کہ UN اور مسلم ممالک کی یونیورسٹیز اور تھنک ٹینک اس کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اس پر نصاب بنائیں گے لیکن اس پر کام نہیں کیا گیا۔ میں چاہتا تھا کہ Counter Terrorism ایک نصاب کی صورت میں پیش ہو مگر افسوس عالمی سطح پر اس پر کام نہ ہوا۔ پھر میں نے خود اس کام کو جاری رکھا۔ اس کے لئے مجھے 5 سال لگ گئے۔ دھرنے کے دوران بھی اس پر کام کرتا رہا تا کہ انتہا پسندی کے باطل نظریات کا خاتمہ کیا جائے۔

دہشت گردی کے خلاف اور فروغ امن کا یہ نصاب 25 کتب پر مبنی ہے۔ یہ کتب انگریزی، اردو اور عربی میں ہیں۔ جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

☆ درج ذیل نصابات Text Books / آؤٹ لائن ہیں:

1. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: ریاستی سکیورٹی اِداروں کے افسروں اور جوانوں کے لیے
2. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: اَئمہ، خطباء اور علماء کرام کے لیے
3. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: اَساتذہ، وکلاء اور دیگر دانشور طبقات کے لیے
4. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: طلبہ و طالبات کے لیے
5. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: سول سوسائٹی کے جملہ طبقات کے لیے
6. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: اہم کتب برائے مطالعہ

(آخری کتاب ابھی تیاری کے مراحل میں ہے جبکہ بقیہ پانچ کتب شائع ہوچکی ہیں۔ یہی کتب انگریزی و عربی زبان میں بھی ہیں جن میں کچھ شائع ہوچکی ہیں اور کچھ تیاری کے مراحل میں ہیں)

☆ درج بالا نصاب جن کتب سے پڑھایا جائے گا، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

7. دہشت گردی اور فتنۂ خوارج (مبسوط تاریخی فتویٰ) 8. الجہاد الاکبر 9. اِسلام میں محبت اور عدمِ تشدّد

10. اسلام اور اہل کتاب (تعلیمات قرآن وسنت اور تصریحات ائمہ دین) 11. کتاب الجہاد

12. اَلْأَحْکَامُ الشَّرْعِيَّة فِي کَوْنِ الْإِسْلَامِ دِيْنًا لِخِدْمَةِ الْإِنْسَانِيَّة (اِسلام اور خدمتِ اِنسانیت)

13. البیان فی رحمة المنان (رحمت الٰہی پر ایمان افروز احادیث مبارکہ کا مجموعہ)

14. الوفا فی رحمة النبی المصطفی ﷺ (جمیع خلق پر حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت وشفقت)

15. العطاء العمیم فی رحمة النبی العظیم ﷺ (رحمت مصطفی ﷺ)

16. Fatwa on Terrorism and Suicide Bombings

17. Relations of Muslims and non-Muslims

18. Islam on Serving Humanity

19. Islam on Love & non-Violence

20. The Supreme Jihad

21. Islamic Spirituality & Modern Science (The Scientific Bases of Sufism)

22. Peace, Integration and Human Rights

23. Islam on Mercy and Compassion

24. Muhammad ﷺ : The Merciful

25. Muhammad ﷺ : The Peacemaker

یہ کتب امن عالم کے لئے قرآن و حدیث سے مزین کی گئی ہیں۔ ان میں اسلام میں انسانیت کے تصور کو بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے ہاں اداروں میں ان Subjects پر نہیں پڑھایا جاتا۔ انسانیت بطور مضمون نہیں پڑھائی جاتی۔ غیر مسلموں کے حقوق، جہاد کا حقیقی تصور بطور Subject نصاب میں شامل نہیں ہے۔

پاکستان میں قتل و غارت کرنے والے خوارج ہیں۔ یہ اپنی نظریات و عقائد سے اختلاف کرنے والے کو کافر کہتے ہیں اور ان کو قتل کرنا واجب قرار دیتے ہیں۔ پرامن لوگوں کا خون بہانا خوارج کے لئے حلال ہے۔ یہ اب سے نہیں بلکہ شروع اسلام سے ہے۔ حضرت علیؓ کے زمانے سے لے کر یہ مختلف صورتوں میں دجال کی آمد تک آتے رہیں گے۔ کسی جماعت اور لیڈر کو حق نہیں کہ وہ از خود تلوار اٹھا کر لوگوں کی جانیں لیں اور کہیں کہ ہم لوگوں کو ظلم سے بچا رہے ہیں۔ یہ تشدد ہے، جو کچھ یہ کرتے ہیں ظلم ہے۔ ہمارے نوجوانوں کو Clearity ہونی چاہئے ورنہ وہ ان کی داڑھی اور تسبیح دیکھ کر پھسل جائیں گے اور ان کے عمل کو دیکھ کر دھوکہ کھا جائیں گے۔

خارجی وہ طبقہ ہے جو فرنٹ پر لڑتا ہے جبکہ ان کے پیچھے ایک اور طبقہ ہے جو خود تو نہیں لڑتے بلکہ پیچھے بیٹھ کر لڑنے والوں کے ممد و معاون ہیں۔ وہ اسمبلیوں میں اور TV پر بیٹھ کر ان خوارج کے نظریات کو تقویت دیتے ہیں۔ وہ پاک فوج کو شہید نہیں کہتے بلکہ ان خوارج کو شہید کہتے ہیں۔ وہ ان خوارج کو نظریاتی تقویت دیتے ہیں۔ خوارج اور دہشت گردوں کے ان معاونین سے بھی آہنی ہاتھوں سے نمٹنا ہوگا۔ پوری قوم کو سمجھنا ہوگا ان دہشت گردوں کے پیچھے اسلام ہے اور نہ کوئی اور مذہب ہے۔ یہ خوارج ہیں ان کو آقا علیہ السلام نے ختم کرنے کا حکم دیا۔ آپریشن ضرب عضب میں شامل افواج پاکستان کے افسران اور جوان مبارکباد کے مستحق ہیں جو پیغمبر اسلام ﷺ کے حکم کے مطابق فتنہ خوارج کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ ان خوارج سے لڑتے ہوئے پاک فوج کے افسران جو قربانیاں پیش کر رہے ہیں، وہ شہادت ہے۔

اس موقع پر شیخ الاسلام نے اس اسلامی نصاب کی جزئیات تک کا تفصیلی تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ میری تمام مقتدر اداروں سے گزارش ہے کہ اس اسلامی نصاب کو کالجز اور یونیورسٹیز میں پڑھایا جائے۔ اس کے لئے کورسز بنائے جائیں یہاں تک کہ اگر اس نصاب کو پڑھانے کے لئے ان کتب سے میرا نام بھی مٹانا چاہیں تو مٹا دیں، اس پر اپنا نام لکھ دیں، اپنے مدرسے کا نام لکھ دیں مگر وقت کی ضرورت کے پیش نظر اسے نصاب کا حصہ بہر طور بنائیں۔ یہ

25 کتب ہیں ان میں سے جو مرضی لے لیں مگر خدارا بالعموم مسلمانوں اور بالخصوص پاکستانیوں کے نظریات و عقائد میں سے انتہا پسندی کو نکالا جائے۔ ہم اپنے من گھڑت مذہب سے تائب ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کو اپنائیں۔ خدا کے لئے علماء کرام اسلام اور ملک کی بہتری کے لئے یہ آواز بلند کریں اور اس نصاب کو پڑھائیں۔ ان شاء اللہ علم اور حق کی فتح ہوگی، ظلم اور جبر کی شکست ہوگی‘‘۔

شیخ الاسلام کے اس خصوصی خطاب کے بعد مہمانان گرامی میں سے چند احباب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا:

☆ محترم ایئر مارشل (ر) شاہد لطیف نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ سب سے پہلے ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے اس نصاب کو فروغ امن کی ترویج کے لئے تیار کیا۔ یہ کام جو حکومت پاکستان کو کرنا چاہئے تھا وہ ڈاکٹر صاحب نے کردیا۔حکومت یہ کام صرف باتوں کی حد تک کرتی ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب نے پریکٹیکل طور پر کرکے دکھادیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی اصل تعلیمات سے ہمیں روشناس کرایا اور عملاً اسلام کا پرچار اس نصاب کے ذریعے کیا۔قرآن و حدیث سے مزین ان کتب کو نصاب میں شامل کرنا چاہئے۔ یہ کسی ایک شخص، معاشرے یا ملک کا نہیں بلکہ دنیا کا مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کے حل کے لئے نکلے ہیں، یہ بڑا جہاد ہے۔ اس نصاب کے ذریعے ہمارا دنیا میں نام بلند ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آگے بڑھنے کے لئے اس نصاب سے عملی رہنمائی لیں۔فروغ امن اور انسداد دہشت گردی کے لئے عملی طور پر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب جو خدمات دے رہے ہیں حکومت کو چاہئے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔

☆ محترم رحمٰن ملک (سینیٹر پاکستان پیپلز پارٹی) نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گرد نہ صرف پاکستان بلکہ پوری امت کے دشمن ہیں۔ میں ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب کو انسداد دہشت گردی کے نصاب کو پیش کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ آپ واحد پاکستانی ہیں جنہوں نے ملک کو اس حوالے سے Educate کیا۔آپ واحد لیڈر ہیں جنہوں نے دہشت گردی کے خلاف نصاب دیا۔ میں سانحہ ماڈل ٹاؤن کے شہداء کے درجات کی بلندی کے لئے دعا گو ہوں اور بطور سینیٹر حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اگر اپنے جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ شائع ہوسکتی ہے تو ماڈل ٹاؤن کے شہداء کی رپورٹ کو بھی شائع کریں۔ میں سینٹ میں اس رپورٹ کو شائع کروانے کے لئے اور اس امن نصاب کو سرکاری سطح پر نافذ کرنے کے حوالے سے بھی سینٹ میں آواز اٹھاؤں گا۔

☆ محترم جہانگیر اشرف قاضی نے کہا کہ ڈاکٹر محمد طاہرالقادری صاحب کی کتب پر بحث و مباحثہ کا آغاز ہونا چاہئے۔ یہ ایک عظیم اقدام ہے۔آپ نے اس سے ملک کی خدمت کی ہے۔آج آپ کی باتوں سے ہمیں بہت سبق ملا۔ ہم نے دہشت گردوں کا خاتمہ کرنا ہے تو پہلے دہشت گردوں کو جاننا ہوگا کہ وہ کون ہیں اور ان کی معاونت کرنے والے کون ہیں؟ آپ ایک صاحب علم شخصیت ہیں۔ امن نصاب ان کی بہت بڑی اسلامی و قومی خدمت ہے۔ میں ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب سے کہوں گا کہ وہ دہشت گردی کی ایسی تعریف کا ڈرافٹ تیار کریں جو اقوام متحدہ کیلئے بھی قابل قبول اور قابل عمل ہو، پوری دنیا دہشت گردی کے مسئلے سے دوچار ہے مگر اس کی کوئی ایک متفقہ تعریف نہیں ہے۔ ہم ڈاکٹر صاحب کو یہ عظیم کام کرنے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

☆ محترم مفتی عبدالقوی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الاسلام کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے فروغ امن اور انسداد دہشت گردی کے لئے نصاب پیش کیا۔ انہوں نے نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں اس فریضے کو سرانجام دیا ہے جس کی ذمہ داری علماء کرام پر دینی، علمی اور قرآن و سنت کے حوالے سے فرض تھی۔ میرے زیر اختیار

500 مدارس ہیں۔ ان مدارس میں اس نصاب کو پڑھایا جائے گا۔ شیخ الاسلام آپ اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں، ہمارے ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ آج میں پیغام دینا چاہتا ہوں کہ خوارج کے خلاف جنگ میں آپ ہمارے مولا ہیں۔

☆ محترم صاحبزادہ قمر سلطان احمد نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس کاوش پر شیخ الاسلام کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ یہ صرف پاکستان نہیں پوری امت کا فریضہ تھا جو انہوں نے سرانجام دیا۔ ائمہ اور واعظوں کے لئے جس طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خدمات پیش کیں اس طرح ڈاکٹر صاحب نے نصاب کے ذریعے خدمات پیش کیں۔

☆ کرسچن سٹڈی سینٹر کی راہنما مسز جینفر نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے جو نصاب پیش کیا اس میں امن اور انسانیت کے لئے درس دیا گیا ہے۔ نصاب کے ذریعے لوگوں کے نظریات کو بدلا اور اس سے سوسائٹی کے اندر تبدیلیاں لائی جاسکتی ہیں۔ غیر مسلموں کے بارے میں اسلام کے صحیح نظریات کو پیش کرنے پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس سے بین المذاہب ہم آہنگی کو فروغ ملے گا۔

☆ محترم علامہ راجہ ناصر عباس (سربراہ مجلس وحدت المسلمین) نے کہا کہ آپریشن ضرب عضب آئینی اور شرعی ہے۔ امن کے دشمنوں اور ناانصافی کے خلاف جہاد ضروری ہے۔ ان کا مقابلہ نہ صرف جنگ کرکے بلکہ نظریاتی طور پر بھی کرنا ہوگا۔ ان کی فکری بنیادوں کو ختم کرنا ہوگا۔ اس کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اسلامی نصاب کی صورت میں عظیم کام کیا۔ یہ نصاب فتح الباب ہے، یہ آواز الحق ہے۔ اسے سننا بھی چاہئے اور عمل بھی کرنا چاہئے۔ ہمارا تعلیمی نصاب ایسا ہو جو محبت اور امن لے کر آئے۔ شیخ الاسلام کو اس نصاب کو پیش کرنے پر بہت بہت مبارک ہو۔ آئیڈیالوجی کے محاذ پر امن نصاب دے کر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے جہاد کیا ہے۔

☆ معروف تجزیہ نگار محترم فواد چوہدری نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کو دو فتنوں سے خطرہ ہے ایک خطرہ اسلام کے اندر ہے اور ایک خطرہ اسلام کو باہر سے ہے۔ شیخ الاسلام کا یہ نصاب اسلام کے اندر فتنے کرنے والوں کے خاتمے کی بات کرتا ہے۔ ہمارے فوجی نوجوان شہید ہوتے ہیں، ادھر سے اللہ اکبر اور ادھر سے بھی وہی نعرہ لگ رہا ہے۔ حقیقت میں شہید کون ہے؟ اس کی نشاندہی میں یہ نصاب بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اقبال نے فرمایا تھا:

اللہ سے کرے دور تو تعلیم بھی فتنہ — املاک بھی اولاد بھی جاگیر بھی فتنہ
ناحق کیلئے اٹھے تو شمشیر بھی فتنہ — شمشیر ہی کیا نعرہ تکبیر بھی فتنہ

ان اشعار میں جو فلسفہ اقبال نے پیش کیا ڈاکٹر صاحب نے وہی فلسفہ اس اسلامی نصاب کے ذریعے بیان کیا ہے۔ یہ نصاب بنیادی طور پر ان اشعار کو آگے بڑھاتا ہے۔ اس کی بہت ضرورت تھی۔ 30 لاکھ بچے یہاں مدرسوں میں پڑھ رہے ہیں جب تک ان بچوں کو صحیح اسلام نہیں سکھایا جاتا اس وقت تک دہشتگردی کے عناصر پیدا ہوتے رہیں گے، اس کے لئے دہشت گردوں اور انتہاء پسندوں کو جڑ سے ختم کرنا ہوگا۔ اگر عالم اسلام میں کسی نے اس بنیادی بات کی طرف متوجہ کیا ہے تو وہ ڈاکٹر صاحب ہی کی شخصیت ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں فتح حق، علم اور ڈاکٹر طاہرالقادری کی ہوگی۔

مہمانان گرامی کے اظہار خیال کے بعد شیخ الاسلام نے جملہ مقررین اور شرکاء کا شکریہ ادا کیا اور ان کے نیک جذبات کو سراہتے ہوئے دعاؤں سے نوازا۔

صلاحیتوں کی تجدید

شفاقت علی شیخ☆

دین، دنیااور آخرت کی جملہ سعادتوں اور بھلائیوں کے حصول اور زندگی کے دامن کو حقیقی، خوشیوں، راحتوں، مسرتوں، کامیابیوں اور کامرانیوں سے بھرنے کیلئے ہماری شخصیت کے طبعی، ذہنی، قلبی اور روحانی پہلوؤں کی متوازن انداز میں تجدید ہوتے رہنا بہت ضروری ہے اور اس اہم ترین کام کو نظر انداز کرنے کی صورت میں ہم زندگی کے بازار سے نہ تو پوری قیمت وصول کرسکتے ہیں اور نہ ہی دنیا کی سٹیج پر اپنا کردار بھر پور، فعال اور موثر انداز میں ادا کر سکتے ہیں۔ لہذا ہمارے لئے بے حد ضروری ہے کہ زندگی کی مصروفیات کے ہجوم میں سے اس کام کیلئے باقاعدگی سے وقت نکالتے رہیں اور اُسے دانشمندانہ انداز میں بجا لاتے رہیں۔ صلاحیتوں کی تجدید کیوں ضروری ہے؟ اس کا مطالعہ ماہ مئی 2015ء کے شمارہ میں ہم کر چکے ہیں۔ صلاحیتوں کی تجدید کے ضمن میں طبعی، ذہنی، قلبی اور روحانی پہلوؤں کی متوازن تجدید کس طرح ممکن ہے؟ اس کے لئے چند اہم اُصولوں کو جاننا اور ان پر عمل پیرا ہونا از حد ضروری ہے۔ یہ اصول زیر نظر تحریر میں بیان کئے جا رہے ہیں۔

1۔ طبعی پہلو کی تجدید

ہمارا جسم قدرت کا بنایا ہوا انمول ترین شاہکار ہے جو مختلف ظاہری و باطنی اعضاء کا حسین و جمیل مرقع ہے۔ ایک طرف تو شخصیت کے دیگر تینوں پہلوؤں (ذہنی، قلبی اور روحانی) کا اظہار اس جسم کی وساطت سے ہے اور دوسری طرف دنیا کے تمام معاملات کو جسم اور اس کے اعضاء کے ذریعے ہی پایا تکمیل تک پہنچنا ہوتا ہے۔ لہذا اس جسم کا صحت مند اور تندرستی کی حالت میں ہونا بہت ضروری ہے۔ جسمانی صحت کی خرابی کی صورت میں کسی بھی کام کو خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ دنیا بھر کے دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ جسمانی صحت ایک بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر کی جانی چاہیے اور اسے برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسلام کے اندر بھی شخصیت کی قدرو قیمت کے تعین میں جسمانی صحت کو خاصی اہمیت دی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

المومن القوی احب الی اللہ من المومن الضعیف.

(مسلم، الصحیح، رقم: ۲۶۶۴، ۴/۲۰۵۲)

’’طاقت ور مومن کمزور مومن کی نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے‘‘۔

بنی اسرئیل کی فرمائش پر اُن کے نبی نے جہاد کیلئے طالوت کو اُن کا امیر مقرر کیا تو اُس کے تقرر کی وجہ سے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ.

☆ Ph.D سکالر، shafaqatalisheikh@yahoo.com

''اللہ تعالیٰ نے اُسے علم اور جسم کے معاملے میں فراخی عطا فرمائی ہے''۔ (البقرہ،۲: ۲۴۷)

یہاں علم کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت کو قیادت کے اوصاف میں سے ایک وصف مانا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں نے اپنے والد سے حضرت موسیٰ کو کام پر رکھنے کی سفارش کرتے ہوئے کہا:

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ٥(القصص، ۲۸: ۲۶)

''بے شک جو بہتر ملازم تو رکھنا چاہے، وہ ہے جو طاقت ور اور دیانتدار ہو''

یہاں پھر دیانتداری کے ساتھ جسمانی صحت و طاقت کو ذمہ داری کی اہلیت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس الصحۃ و الفراغ. (بخاری، الصحیح، رقم: ۶۰۴۹، ۵/ ۲۳۵۷)

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے متعلق لوگوں کی اکثریت خسارے میں رہتی ہے وہ ہیں صحت اور فراغت''۔

معلوم ہوا جسمانی صحت کا ہونا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی قدر کرنی چاہیے۔ قدر کرنے سے مراد ایک طرف تو اس سے بھرپور فائدہ اُٹھانا ہے اور دوسری طرف حتیٰ الوسع اس کی حفاظت کرنا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ لوگوں کی اکثریت عام طور پر اس کی قدر و قیمت میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی ہے۔

جس طرح دنیا کی کسی بھی مشینری کو صحت مند حالت (Working Condition) میں رکھنے کیلئے اُس کی ضروریات کا خیال رکھنا اور مناسب نگہداشت کرنا ضروری ہے اسی طرح ہمارے جسم کی مشینری کو بھی صحت مند اور توانا حالت میں رکھنے کیلئے حفظانِ صحت کے درج ذیل اُصولوں کوملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے:

۱۔ متوازن غذا ۲۔ ورزش ۳۔ مناسب نیند ۴۔ کام اور آرام میں توازن

ان چار اصولوں پر عمل درآمد سے ہی ہماری طبعی تجدید ممکن ہے۔ بصورت دیگر ہم کبھی بسیار خوری، کبھی مناسب خوراک نہ ملنے، کبھی سستی و کاہلی کی وجہ سے زیادہ نیند لینے، کبھی مصروفیات کے باعث ضرورت سے کم نیند لینے، کبھی ورزش نہ کرنے اور کبھی کام کی زیادتی کی وجہ سے اپنی جسمانی صلاحیتوں کو ختم کرتے رہیں گے اور زندگی کے دیگر معاملات کی انجام دہی میں مسائل کا شکار ہوجائیں گے۔

2۔ ذہنی پہلو کی تجدید

انسانی دماغ اللہ رب العزت کی شانِ تخلیق کا ایک انمول شاہکار ہے جس کا وزن اور سائز تو بہت کم ہے مگر اس کی وسعتیں لامحدود ہیں۔ آج کا دور کمپیوٹر کا دور ہے ہر گزرتے دن کے ساتھ وسیع سے وسیع رینج کے کمپیوٹر معرض وجود میں آ رہے ہیں۔ مگر سائنس اپنی تمام تر ترقیوں کے باوجود ابھی تک کوئی ایسا کمپیوٹر ایجاد نہیں کرسکی جو خالقِ کائنات کے بنائے ہوئے کمپیوٹر (انسانی ذہن) کا مقابلہ کر سکے۔ انسانی دماغ میں کھربوں کی تعداد میں خلیے (Cells) پائے جاتے ہیں جو بے حد وحساب معلومات کو اپنے اندر جمع کر سکتے ہیں۔ ایک طرف تو انسانی ذہن کی وسعتوں کی کوئی حد نہیں ہے اور دوسری طرف معلومات کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں گود سے لے کر گور تک یعنی ساری زندگی ہی حصول علم میں مشغول رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سقراط کا قول ہے کہ'' علم و حکمت اُس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک اُسے حاصل کرنے کی اتنی ہی شدید خواہش نہ ہو جتنی شدید دم گھٹنے کے ماحول یا پانی میں ڈوبے ہونے کے وقت سانس لینے کی خواہش ہوتی ہے''۔ گویا علم و حکمت اور دانش بیٹھے بٹھائے آسانی سے حاصل نہیں ہوجاتی بلکہ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے

اور قیمت کے اندر پہلی چیز اس کیلئے ایک سچی طلب اور آرزو کا ہونا ہے اور پھر اُس کے مطابق محنت کرنا ہے۔

اپنے رجحان اور مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی پسند کے شعبے میں حتی الوسع علم کے آخری درجے (Ph.D وغیرہ) تک جانے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ علم صرف وہی نہیں ہے جو سکول و کالج سے حاصل ہوتا ہے بلکہ علم کے اور بھی بے شمار ذرائع ہیں اور یہ زندگی بھر کا عمل ہے سکول و کالج سے فراغت کے بعد تیزی سے بدلتی ہوئی اس دنیا میں اپنے علم کی تجدید کرتے رہنا چاہیے۔

علم کے حوالے سے اس بات کو جاننا بھی اہم ہے کہ اسلام نے علم کو ''نافع'' اور ''غیر نافع'' دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

علم نافع وہ علم ہے جس کے ذریعے سے انسان اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچ جائے، زندگی کے اسرار و رموز سے آگاہ ہو جائے اور اُس علم کے مثبت اثرات خود اس کی ذات اور کسی نہ کسی حد تک ماحول پر بھی دکھائی دیں اور جہاں ان میں سے کوئی چیز بھی نہ ہو وہ علم غیر نافع ہے، جس سے حضور علیہ السلام نے پناہ مانگی ہے۔ گویا اسلام کے نزدیک علم وہی ہے جو انسان کو خدا تک پہنچا دے، زندگی کی راہوں کو روشن کر دے اور عمل کی جہتوں کو درست کر دے۔ بصورت دیگر وہ محض معلومات کا انبار ہے جو زندگی کو بوجھل بنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اسلام جہاں بھی علم کی بات کرتا ہے اُس سے مراد علم نافع ہی ہوتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ قرآن و حدیث کا علم ہے یا سائنس اور ٹیکنالوجی وغیرہ کا۔ لہذا انسان کو ذہنی پہلو کی تجدید کرتے ہوئے اپنے علم میں مسلسل اضافہ کرتے رہنا چاہیے۔

علم میں اضافہ کے لیے بہت سارے ذرائع ہیں۔ جن میں سے چند نمایاں درج ذیل ہیں۔

۱۔ مطالعہ کتب، اخبارات و جرائد
۲۔ حالات حاضرہ سے آگہی
۳۔ ٹی وی و انٹرنیٹ کا محتاط اور با مقصد استعمال
۴۔ اہل علم کی صحبت میں بیٹھنا
۵۔ غور و فکر اور تفکر و تدبر کی عادت کو اپنانا
۶۔ معلوماتی دورہ جات کرنا

مندرجہ بالا فہرست کوئی حتمی نہیں ہے۔ اس میں اور بھی کئی چیزوں کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اپنے حالات کے مطابق حکمت اور دانشمندی سے کام لیتے ہوئے جو طریقے بھی مناسب لگیں اُن کے ذریعے اپنی شخصیت کے ذہنی پہلو کی تجدید کرتے رہنا چاہیے۔

3۔ قلبی پہلو کی تجدید

انسان کے سینے میں بائیں طرف گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس کا طبی نقطہ نظر سے کام تو سارے جسم میں خون کو پمپ کرنا ہے مگر اسی دل کا ایک دوسرا اہم ترین کردار (Function) یہ بھی ہے کہ یہ ہماری جذباتی زندگی کا مرکز و محور ہے۔ ہمارے جذبات جو زندگی کی گاڑی کیلئے ایندھن کا کام دیتے ہیں، وہ یہیں پر پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر قسم کے اچھے اور بُرے جذبات مثلاً محبت، نفرت، غصہ، عداوت، انتقام، ایثار و قربانی وغیرہ یہیں دل میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر دماغ میں پیدا ہونے والے خیالات پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے شخصیت کی اصلاح کا نکتہ آغاز دل کو قرار دیا ہے۔ ہمارے جذبات کا بہت گہرا تعلق ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کے ساتھ ہے۔ جس طرح کے ہمارے دل میں جذبات ہوتے ہیں اُسی کے مطابق ہم دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ اور کامیاب زندگی کیلئے ہماری سماجی اور معاشرتی زندگی کا خوشگوار ہونا بہت ضروری ہے بالفاظ دیگر دوسرے لوگوں کے ساتھ ہمارے باہمی تعلقات کا خوشگوار ہونا کامیاب زندگی کے لوازمات میں سے ایک

اہم تقاضا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

التودد الی الناس نصف العقل.

(ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۳۶۰/۶۱)

''لوگوں کے ساتھ پیار و محبت سے رہنا آدھی عقل مندی ہے''

لہٰذا کامیاب زندگی گزارنے کیلئے جہاں صحت مند جسم اور ترقی یافتہ ذہن کا ہونا ضروری ہے وہاں تربیت یافتہ دل کا ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ جب تک انسان اپنے جذبات پر قابو نہیں پائے گا اور اُن کی تہذیب و اصلاح نہیں کرے گا تب تک وہ علمی طور پر کتنے ہی بلند درجے پر کیوں نہ پہنچ جائے وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کو برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ جذبات پر قابو نہ ہونے کی صورت میں ذرا ذرا سی بات پر اُس کے اندر غصہ کی آگ بھڑک اُٹھے گی جو جھگڑوں اور بحث وتکرار کا باعث بنے گی اور یوں زندگی کا مزا کرکرا ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ کامیاب اورخوشگوار زندگی کیلئے اس پہلو پر توجہ دینا بھی ضروری ہے اگر یہ پہلو نظر انداز ہو جائے تو پھر جسمانی اور ذہنی سطح پر انسان جتنی مرضی کامیابیاں حاصل کرتا چلا جائے وہ زندگی سے صحیح معنوں میں لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔

جس طرح کھیت کے اندر مطلوبہ فصل کے ساتھ ساتھ کچھ خود رو قسم کی جڑی بوٹیاں خود بخود اُگ آتی ہیں جو فصل کیلئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ کامیابی کا راز اس میں ہوتا ہے کہ اُن جڑی بوٹیوں کو ساتھ ساتھ تلف کر دیا جائے۔ یہی حال دل کی سرزمین کا بھی ہے۔ اس میں پسندیدہ اور اچھے اوصاف کے ساتھ ساتھ کچھ ناپسندیدہ اور بُرے اوصاف مثلاً حسد، بغض، کینہ، نفرت، انتقام وغیرہ کی جڑی بوٹیاں خود بخود ہی اُگ آتی ہیں اور پروان چڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اگر دل کی سرزمین سے اِن گندے پودوں کو تلف نہ کیا جائے تو یہ ہماری شخصیت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں اور دوسروں کے ساتھ ہمارے تعلقات کو بھی بہت متاثر کرتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ ہمارے لئے بہت ضروری ہے کہ غور وفکر اور بعض دیگر مناسب تدابیر کے ذریعے ان ناپسندیدہ اوصاف سے دلوں کو پاک کریں۔

خوشگوار تعلقات کے چار اہم اُصول

دوسروں کے ساتھ خوشگوار تعلقات کے لئے مندرجہ ذیل چار اہم باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

i۔ محبت

ہم اپنے تمام متعلقین کو اُن کی خامیوں اور نقائص سمیت قبول کرتے ہوئے اُن کیساتھ غیر مشروط محبت کریں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُن کی اصلاح کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ اُن کی خامیوں کی بناء پر اُن سے نفرت نہ کریں۔ محبت کے دائرے میں رہتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو ان کی اصلاح کریں۔

ii۔ عزت واحترام

ہمارے لئے بہت ضروری ہے کہ ہم دوسروں کا سماجی مرتبہ یا حیثیت یا اس قسم کی کوئی بھی چیز دیکھے بغیر محض انسان ہونے کے ناطے عزت و احترام کریں۔ معاشرے کے اندر انسانوں کی درجہ بندی اور اونچ نیچ کے جو پیمانے بنائے جاتے ہیں، اسلام اُن کو نہیں مانتا ہے۔ ہاں ایک پیمانہ ہے جس کا لحاظ اسلام بھی کرتا ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ اس کے علاوہ اسلام کا مطالبہ یہی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے سے عزت و احترام والا سلوک کیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اکرموا اولادکم و احسنوا ادبهم.

(ابن ماجه، السنن، رقم: ۳۶۷۱، ۱۲۱۱/۲)

''اپنی اولادوں کا اکرام کرو اور اُنہیں اچھے آداب سکھاؤ۔''

اگر کسی انسان کے اندر کردار کی کوئی خرابی یا بُرائی ہے تو اُسے اُس شخص کی ذات سے الگ کر کے دیکھا جائے اور اُس کا احترام محض انسان ہونے کی بناء پر کیا جائے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر کسی سنجیدہ مرض میں مبتلا مریض کی بیماری سے تو نفرت کرتا ہے مگر بیمار سے نفرت کرنے کی بجائے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح ہمیں کسی اخلاقی برائی یا کمی میں مبتلا شخص کے ساتھ نفرت کی بجائے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اُسے اُس سے نجات دلانے کی کوشش کرنی چاہیے اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب ہمارے دل میں اُس کے لئے نفرت اور حقارت کی بجائے محبت اور عزت و احترام کے جذبات ہوں گے۔

iii۔ بے لوث خدمت

خوشگوار تعلقات کے لئے تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ ہمارے اندر دوسروں کی بے لوث خدمت کا جذبہ موجود ہونا چاہئے۔ اگر پہلی دو چیزیں پائی جا رہی ہوں تو تیسری پر عمل پیرا ہونا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ دوسروں کی مدد کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ وہ کس مسلک، عقیدے، قوم، ذات، برادری یا ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیز دوسروں کی خدمت اُن سے کسی بھی جوابی سلوک، صلے، بدلے یا ستائش کی نیت سے نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا اور آخرت میں ثواب کے حصول کی نیت سے ہونی چاہیے۔

iv۔ عفو و درگذر

انسان خطا کا پتلا ہے اور قصداً یا سہواً غلطی اُس سے ہو ہی جاتی ہے۔ اگر ہم اپنے متعلقین کی ذرا ذرا سی غلطیوں پر گرفت کرنے لگیں اور ان پر ردِعمل ظاہر کرنے لگیں تو زندگی کانٹوں کا بچھونا بن کر رہ جائے گی۔ اس لئے اسلام نے معاشرتی زندگی کو خوشگوار بنانے کیلئے عفو و درگذر کا اُصول دیا ہے۔ لہٰذا خوشگوار تعلقات کو برقرار رکھنے کیلئے ہمیں حتیٰ الوسع دوسروں کی غلطیوں، لغزشوں، کوتاہیوں اور خامیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اُن کی طرف سے اپنے دل کو صاف رکھنا ہے۔ تاکہ نفرت، کینہ اور انتقام کا زہر ہماری جذباتی زندگی کو تلخ یادوں کا گھوارہ نہ بنا دے۔

4۔ روحانی پہلو کی تجدید

جسم اس مادی دنیا کا بنا ہوا ہے لہٰذا اُس کی غذائیں بھی مادی دنیا سے تعلق رکھتی ہیں لیکن روح عالم امر کی چیز ہے اس لئے اُسے ان غذاؤں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ روح کی غذاؤں کا تعلق اللہ کی محبت، اُس کی یاد، اُس کے قرب، اُس کی اطاعت میں ہے۔ جسم اور جسم کے تقاضے دکھائی دیتے ہیں اور محسوس ہوتے ہیں۔ اس لئے انسان ان کی تکمیل کے لئے فوراً متحرک ہو جاتا ہے۔ لیکن روح خود بھی مخفی ہے اور اُس بناء پر اُس کے تقاضے بھی مخفی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان بالعموم روح کے تقاضوں کو فراموش کیے رکھتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کا جسم موٹا ہوتا چلا جاتا ہے مگر روح سکڑتی چلی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آخرت تو جو برباد ہونا ہوتی ہے وہ ہوتی ہی ہے دنیوی زندگی بھی تلخیوں، محرومیوں اور اُداسیوں کا مرقع بنتی چلی جاتی ہے۔

انسان اپنی شخصیت کے دیگر گوشوں پر جتنی بھی توجہ دے لے، جب تک روح کو نظر انداز کرے گا اُس کی زندگی میں ایک خلا باقی رہے گا۔ روح کی ویرانیوں کو دور کیے بغیر زندگی کے دامن کو حقیقی خوشیوں اور مسرتوں سے نہیں بھرا جاسکتا۔ لہٰذا ہمارے لئے بہت ضروری ہے کہ ہم اپنی شخصیت کے اس اہم ترین حصے کی ضروریات کو بھی محسوس کریں اور اُنہیں پورا کرتے ہوئے اسکی بھی تجدید ساتھ ساتھ کرتے رہیں۔ اس مقصد کے لئے اسلام نے ایک مکمل اور جامع نظام دیا ہے جس میں ایمانیات بھی ہیں، عبادات بھی ہیں، معاملات بھی ہیں، اخلاقیات بھی ہیں۔ نیکی کا جو کام بھی ہم

اللہ کا حکم سمجھ کر بجا لاتے ہیں وہ بذریعہ جسم ہی سرانجام پاتا ہے مگر اُس کا براہ راست خوشگوار اثر روح پر پڑتا ہے۔اس کے برعکس ہر وہ کام جس سے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے اُسے گناہ کہتے ہیں۔ ایسا کوئی بھی کام کرنے سے روح پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ پھر اگر توبہ کر لی جائے تو روح اُس اثر سے آزاد ہو جاتی ہے ورنہ اُسی حالت میں رہتی ہے۔اسی طرح اچھے بُرے کاموں کے اثرات روح پر پڑتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ موت آجاتی ہے اور موت کے وقت روح جس حالت میں یہاں سے جاتی ہے اُسی کے مطابق قبر اور حشر میں اُس کے ساتھ اچھا یا بُرا سلوک ہونا ہوتا ہے۔

روح کا نمائندہ ضمیر کی صورت میں ہمارے اندر موجود ہوتا ہے۔ جب ہم برائی کرنے لگتے ہیں تو ضمیر احتجاج کرتا ہے۔ اگر ہم اکثر و بیشتر اُس کی بات مان کر رُک جائیں تو ضمیر کی آواز توانا ہوتی چلی جاتی ہے اور اُس کے لئے آئندہ ہمیں گناہوں سے روکنا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اکثر و بیشتر ضمیر کی آواز کو نظر انداز کرتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ آواز مدہم ہوتی چلی جاتی ہے اور بالآخر تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر اُس وقت اُس کی نظروں میں نیکی اور برائی کے درمیان تمیز تقریباً ختم ہو جاتی ہے۔ یہ صورت حال کسی بھی شخص کیلئے دنیا اور آخرت دونوں جگہوں پر ذلت ورُسوائی اور تباہی و بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا اگر ہم دنیا اور آخرت دونوں کی سعادتیں اور بھلائیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے ضمیر کی آواز پر کان دھرنا ہوگا۔ اپنے آپ کو ہر اُس کام سے بچانا ہو گا جو روح کو نقصان پہنچانے والا ہے اور اُن کاموں کو کثرت سے بجا لانا ہو گا جو روح کی بالیدگی کا باعث بنتے ہیں۔

روح اگر زندہ اور تروتازہ ہوگئی، گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہوگئی تو دنیا سے آخرت تک کے سفر کے سارے مراحل آسان ہوتے چلے جائیں گے۔ روح کا اثر اس دنیا میں ہی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی جسم کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھے گا۔ اور انسان کو مرنے کے بعد بھی مرنے نہیں دے گا۔ یہی ایک بندۂ مومن کی زندگی کا منتہائے کمال ہے کہ وہ زندگی میں اپنی شخصیت کو اس حد تک نکھار اور سنوار چکا ہو کہ جب اُس کا آخری وقت آئے تو اُس کے خالق اور مالک کی طرف سے اُسے یہ آواز سنائی دے:

يَـآيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُo ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًo فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ o وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْo (الفجر، ۸۹: ۲۷۔۳۰)

’’اے اطمینان والی جان! لوٹ آ اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو اُس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔ پس میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا‘‘۔

انتقالِ پُر ملال

گذشتہ ماہ تحریک منہاج القرآن کے دیرینہ رفیق محترم سید افتخار شاہ بخاری (سابق ڈائریکٹر منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن) مختصر علالت کے بعد انتقال فرماگئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری، ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران نے مرحوم کے انتقال پر دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی بخشش و مغفرت کے لئے خصوصی دعا کی۔ انکی خدمات تحریک میں ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔

منہاج القرآن علماء کونسل اور منہاجینز کے زیر اہتمام

نصاب امن علماء کنونشن

منہاج القرآن علماء کونسل اور منہاجینز کے زیر اہتمام شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے مرتب کردہ فروغ امن اور انسداد دہشت گردی کے اسلامی نصاب کے سلسلہ میں مورخہ 30 جولائی بروز جمعرات عظیم الشان نصاب امن علماء کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں پاکستان کے نامور و جید علماء کرام محترم علامہ مفتی عبدالقوی (ملتان)، محترم علامہ شہزاد احمد مجددی (لاہور)، محترم علامہ پروفیسر عون محمد سعیدی (بہاولپور)، محترم علامہ سعید احمد فاروقی (ملتان)، محترم علامہ پیر مفتی ممتاز الحسن شاہ (زیب سجادہ کیلیانوالہ شریف)، محترم مفتی سعید احمد طفیل (نارووال)، محترم پیر سید عبدالقادر شاہ (خطیب مرکز سیفیہ راوی ریان لاہور)، محترم علامہ الحاج امداد اللہ نعیمی، محترم مفتی افتخار احمد نعیمی (سابق صدر نعیمین ایسوسی ایشن پاکستان)، محترم مفتی محبوب احمد چشتی (جامعہ نعیمیہ) اور ایک ہزار سے زائد علماء کرام اور منہاجینز نے شرکت کی۔ نظامت کے فرائض محترم علامہ سید فرحت حسین شاہ (مرکزی نائب ناظم اعلیٰ تحریک) اور محترم علامہ میر محمد آصف اکبر قادری (ناظم علماء کونسل) نے سرانجام دیئے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس کنونشن کو اسلامی نصاب کے حوالے سے تربیتی ورکشاپ قرار دیا۔ آپ نے انسداد دہشتگردی اور فروغ امن کے نصاب کے حوالے سے خصوصی لیکچر دیتے ہوئے فرمایا کہ

''دہشتگردی کے خاتمہ کیلئے آپریشن ضرب عضب کی طرح ہم نے ''ضرب علم'' کا آغاز کر دیا ہے۔ انتہاء پسندی کے خاتمہ، امن اور رواداری کے فروغ کے حوالے سے علمائے کرام کا کردار مرکزی ہے۔ فوجی آپریشن کی 100 فیصد کامیابی اسی صورت ممکن ہے جب علمی، سیاسی، سماجی سطح پر عوامی شعور اجاگر ہوگا۔ دہشتگرد ان علاقوں اور ممالک میں قوت پکڑتے ہیں جہاں ناانصافی، سیاسی، سماجی استحصال اور قرآن وسنت، آئین و قانون کی غلط تشریح ہوتی ہے اور اس علمی بد یانتی پر کوئی ردعمل دینے والا نہیں ہوتا یا مصلحتاً خاموشی اختیار کی جاتی ہے۔ تحریک منہاج القرآن نے تاریخ عالم میں پہلی بار فروغ امن کیلئے نصاب تیار کیا ہے۔ اس نصاب میں شامل 5 کتب ہر طبقہ کے افراد کے مطالعہ کیلئے مفید ہیں۔ امن کے فروغ کے نصاب کا مسلک اور مسلکی اختلاف سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ عالم اسلام کے ہر فرد اور پوری انسانیت کے مفاد میں مرتب کیا گیا ہے۔ علمی و تحقیقی سطح پر جو خلاء تھا ہم نے اسے پر کرنے کی پرخلوص کوشش کی ہے۔

نسلوں کو انتہا پسندی اور فتنہ خوارج سے بچانا علماء کی سب سے زیادہ ذمہ داری ہے۔ دہشت گرد اور انکے گروپس نام بدل بدل کر کرہ ارض پر فساد پھیلا رہے ہیں اور اختلاف کرنے والوں کو واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ ایسے عناصر خود واجب القتل ہیں۔ مدرسوں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے طلباء، اساتذہ انسداد دہشتگردی کے نصاب کو اپنے مطالعہ کا حصہ بنائیں۔ بالخصوص علماء آئندہ نسلوں کو اس فتنہ سے بچانے اور پاکستان کی بقاء کیلئے اپنا کردار ادا کریں''۔

علماء کرام اور منہاجینز کی اس تربیتی ورکشاپ میں شیخ الاسلام نے اسلامی نصاب کے تعارف اور اس کی اہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ شیخ الاسلام کے اظہار خیال کے بعد درج ذیل جید علماء کرام نے تمام شرکاء کی نمائندگی کرتے ہوئے اس عظیم کاوش پر شیخ الاسلام کو خراج تحسین پیش کیا:

☆ محترم علامہ شہزاد احمد مجددی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس نصاب کی افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ اس کا اطلاق اس سے بھی زیادہ ضروری و اہم ہے۔ یہ تجدیدی و تاریخی اور عظیم کام ہے۔ ہمیشہ مردانِ خدا ایسے کام کرتے

رہے ہیں۔ ہر دور میں تصوف ہی خارجیت کا رد رہا ہے۔ صوفیاء کرام خارجیت کے عملی رد کے لئے میدان میں آئے تھے۔ جوں جوں یہ میخانے بند ہوتے گئے تو نئے نئے ادارے کھل گئے اور انہوں نے ہماری سمت بدلنے کی کوشش کی۔ ہمیں اپنے نظام تصوف کے احیاء کے لئے عملاً کام کرنا ہوگا۔ برصغیر پاک و ہند میں اسلام مسجد سے نہیں بلکہ خانقاہ سے پھیلا تھا۔ اس نصاب کو صرف مسجد تک نہیں بلکہ خانقاہ تک بھی پھیلایا جائے۔ اس لئے کہ یہ اسلاف کی روایت ہے۔ یہ اعزاز ہمیں اللہ نے عطا کیا کہ ہم نے اس دور کے سب سے بڑے مرض کی تشخیص کی۔ اس نصاب پر آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اس مرض کی تشخیص کرلی ہے، ابھی عملی علاج باقی ہے۔ ان شاء اللہ اپنی منزل مقصود کو پائیں گے۔

☆ محترم علامہ سعید احمد فاروقی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ شیخ الاسلام کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ دور حاضر میں جو مرض بڑھتا جارہا ہے اس کی روک تھام کے لئے بیس کروڑ عوام کو ایک عظیم نصاب دیا۔ نصاب لکھنا مشکل کام ہے۔ آپ نے بڑی مشکل کو آسان بنادیا۔ یہ بشری طاقت نہیں، اس لئے کہ ایک صفحہ لکھا جائے تو ہماری صلاحیتیں جواب دے جاتی ہیں جبکہ آپ سینکڑوں کتابوں کے مصنف ہیں۔ بے شک آپ پر گنبد خضریٰ کا فیضان ہے۔ ہم علماء و مشائخ کو چاہئے کہ مدارس، مساجد، خانقاہوں میں اس نصاب کا اجراء کریں۔ اس نصاب کو ہر طبقہ میں فروغ دینے کے لئے کانفرنسز کا انعقاد کریں۔ اس نصاب کو عام کرنا ہمارا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسے تمام عوام تک پہنچانے کے لئے اخلاص عطا کرے۔

☆ محترم مفتی عبدالقوی (دارالعلوم عبیدیہ ملتان) نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہ ہمارے لئے شیخ الاسلام فخر ہیں۔ دوسروں کے ہاں ہمیں کوئی ان جیسا نظر نہیں آتا۔ جتنی تصنیفات شیخ الاسلام نے دی ہیں دیگر تمام لوگ مل کر بھی یہ کام نہ کرسکے۔ اس صدی کے تمام علماء اپنے علم وتصنیفات، تلامذہ کے ساتھ ایک پلڑے میں ہیں تو دوسرے میں اکیلے شیخ الاسلام ہی کافی ہیں۔ جس نے توحید پر لکھا وہ نورِ عظمت رسالت ﷺ سے محروم ہوگیا۔ جس نے ادب رسالت ﷺ پر لکھا وہ توحید سے دور ہوگیا لیکن شیخ الاسلام نے متوازن و معتدل لکھا۔ اس کو شانِ مجددیت کہتے ہیں۔ تصوف کی تعلیمات کا درس دیتا ہوا آج اگر کوئی نظر آرہا ہے تو وہ شیخ الاسلام ہیں۔ نہ ان کی تحریر پر اور نہ ان کے عمل وکردار پر انگلی اٹھائی جاسکے۔ شیخ الاسلام کی کتب میں ہمارے لئے شہد ہے۔ ہمارے 500 دینی مدارس ہیں، ان شاء اللہ ان تمام دینی مدارس میں اس نصاب کو سبقاً پڑھایا جائے گا۔

☆ محترم پروفیسر عون محمد سعیدی (بہاولپور) نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ نصاب کے ذریعے آپ نے عظیم کام سرانجام دیا صرف یہ نہیں بلکہ ان کا ہر کام عظیم ہے۔ اللہ نے آپ کو پیدا ہی عظیم کاموں کے لئے ہے۔ اگر کسی عام شخص کو 100 زندگیاں بھی عطا کردی جائیں تو وہ ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہ تحریکِ علم ہے اگر ہم اس نصاب کو فروغ دیں تو اس کے نتیجے میں وحدت پیدا ہوگی۔ اس وحدت سے حرکت ہوگی اور پھر مصطفوی انقلاب کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ اللہ ہمیں ان کی قیادت میں منزل سے ہمکنار فرمائے۔ وہ لوگ جو اپنے ہوکر اپنوں کی مخالفت کرتے ہیں، عداوت کرتے ہیں ان کے لئے بھی امن کا نصاب بنایا جائے تاکہ اللہ انہیں بھی عقل وفہم اور ہدایت دے۔

اک ایسا شجر محبت کا لگایا جائے ؎
جس کا ہمسایوں کے آنگن میں بھی سایہ جائے

☆ علماء کرام کے اظہار خیال کے بعد شیخ الاسلام نے مختلف امور پر شرکاء کے سوالات کے تفصیلی جوابات مرحمت فرمائے۔ اسی تربیتی ورکشاپ کو علماء کرام نے بے حد سراہا اور آئندہ بھی اس طرح کی ورکشاپس کے انعقاد کو وقت کا تقاضا قرار دیا۔ اس عظیم کنونشن اور تربیتی ورکشاپ کا اختتام شیخ الاسلام کی خصوصی دعا سے ہوا۔

منہاج یونیورسٹی لاہور۔۔۔ کانووکیشن 2015ء

گذشتہ ماہ یکم اگست 2015ء کو منہاج یونیورسٹی کا عظیم الشان کانووکیشن منعقد ہوا۔ چیئرمین بورڈ آف گورنرز کی حیثیت سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے اس تقریب کی صدارت فرمائی۔ شیخ الاسلام کے ہمراہ بورڈ آف گورنرز کے وائس چیئرمین محترم ڈاکٹر حسین محی الدین القادری، وائس چانسلر محترم ڈاکٹر محمد اسلم غوری، محترم خرم نواز گنڈا پور اور یونیورسٹی کے دیگر پروفیسرز تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، رجسٹرار یونیورسٹی محترم کرنل (ر) محمد احمد، کنٹرولر امتحانات محترم ڈاکٹر شجاعت محمود خالد، محترم جاوید اقبال قادری، یونیورسٹی کی تمام فیکلٹیز کے سربراہان، ڈاکٹرز، پروفیسرز، اساتذہ کرام اور دیگر مہمانان گرامی بھی بطور خاص پروگرام میں شریک تھے۔ اس موقع پر منہاج یونیورسٹی سے فارغ التحصیل 770 گریجویٹس طلبہ اور طالبات کو ڈگریاں دی گئیں۔ 22 طلبہ کو گولڈ میڈل دیئے گئے۔ 200 طلبہ و طالبات کو رول آف آنرز، 88 طلبہ و طالبات کو میرٹ سرٹیفکیٹس اور 2 کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اور دیگر مہمانان گرامی نے پی ایچ ڈی، ایم فل اور ماسٹرز کرنے والے طلبہ و طالبات میں ڈگریاں تقسیم کیں اور انہیں مبارکباد دی۔ محترم محمد سجاد العزیز نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیئے۔

منہاج یونیورسٹی کے سالانہ کانووکیشن سے خطاب کرتے ہوئے شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ”علم کو مذہب اور سیکولرازم کے خانے میں بانٹ کر معاشرے کو تضادات اور فکری انتشار کے حوالے کر دیا گیا، ایسے نظام اور باطل فکر کو دفن کر دینگے جس نے ہمارے بچوں کے ہاتھ میں قلم کی بجائے بندوق دی اور دلوں میں محبت کی جگہ نفرت پیدا کی۔ آنے والا دور علم، سچ کی بالادستی اور انتہائی رویوں کی شکست فاش کا دور ہے۔ تحریک منہاج القرآن نے دینی و جدید دنیاوی علوم کو یکجا کر کے انتہا پسندی سے پاک اور اعتدال پسند اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی بنیاد رکھ دی۔ جدید عصری علوم سے آراستہ یونیورسٹی کا قیام میرا خواب تھا جو اللہ نے پورا کر دیا۔

سرسید احمد خان نے علی گڑھ یونیورسٹی کی بنیاد رکھ کر مسلم رہنماؤں کی ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ کھیپ تیار کی اور خوابیدہ اسلامیان برصغیر میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی اور پھر علی گڑھ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل طلباء نے فکری قیادت کا خلا پر کرتے ہوئے برصغیر کا نقشہ تبدیل کر کے رکھ دیا اور پاکستان کے قیام کے خواب کو عملی تعبیر دی۔ میں سمجھتا ہوں کہ تعمیر پاکستان کے اس اہم مرحلہ پر بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ملک وقوم کی باگ ڈور سنبھالیں اور جہالت کے اندھیروں کو علم کی روشنی سے ختم کر دیں۔ میں اس کانووکیشن میں شریک قابل اور باصلاحیت طلبہ اور طالبات سے کہوں گا کہ بامقصد علم اور بامقصد زندگی کی طرف آئیں۔ ایسے علم کا کیا فائدہ جسے پڑھ کر انتہا پسندی، نفرت اور دنیا داری جمع کرنے کی سوچ غالب آ جائے۔ منہاج القرآن نے بامقصد تعلیم اور نوجوانوں کی کردار سازی پر ساری توانائیاں صرف کی ہیں۔ میں نے فروغ امن اور انسداد دہشتگردی کے لئے حال ہی میں تفصیلی نصاب دیا ہے۔ نئی نسل کو انتہا پسندی اور فکری تنگ نظری کے اندھیروں سے نکالنا میری جدوجہد کا مرکزی نکتہ ہے“۔

اس موقع پر وائس چیئرمین محترم ڈاکٹر حسین محی الدین القادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ”ہمارا مشن تعلیم برائے ترقی، تعلیم برائے شعور وآگہی اور تعلیم برائے خدمت ہے۔ ہم نے تعلیم کو کاروبار نہیں بننے دیا اور جدید اور بامقصد تعلیم کی فراہمی کیلئے جملہ وسائل اور صلاحیتیں صرف کیں۔ ہم سوسائٹی کے ہر فرد کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ منہاج القرآن کے زیر اہتمام چلنے والے ادارے بالخصوص یونیورسٹی کے مختلف ڈیپارٹمنٹس کا دورہ کریں۔ ہمیں یقین ہے اس دورہ کے بعد وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا تعلیمی مستقبل ہمارے ہاتھوں میں محفوظ تصور کرینگے“۔

اس موقع پر محترم وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم غوری، رجسٹرار یونیورسٹی محترم کرنل (ر) محمد احمد اور یونیورسٹی کے جملہ فیکلٹیز کے سربراہان نے اظہارِ خیال کیا۔

محترم ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن باروی اور محترم ڈاکٹر شبیر احمد جامی کو
پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی تکمیل پر مبارکباد

کالج آف شریعہ منہاج یونیورسٹی کے درج ذیل دو فاضلین نے گذشتہ ماہ پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی تکمیل کا اعزاز حاصل کیا۔

☆ محترم ڈاکٹر محمد ممتاز الحسن باروی: آپ نے کالج آف شریعہ سے 1995ء میں الشہادۃ العالمیہ کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کی علمی وفکری پختگی کے باعث شیخ الاسلام نے آپ کو کالج آف شریعہ میں لیکچرار کی ذمہ داریاں تفویض فرمائیں۔ شیخ الاسلام کے اعتماد پر پورا اترتے ہوئے آپ نے احسن انداز میں یہ ذمہ داریاں سرانجام دیں۔ آپ کی اسی محنت، لگن اور خلوص کو دیکھتے ہوئے گزشتہ سال شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری اور محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے آپ کو کالج آف شریعہ کے وائس پرنسپل کی ذمہ داریاں تفویض کیں۔ آپ نے ''نظریہ اباحت اصلیہ (علماء برصغیر کی آراء کا تحقیقی مطالعہ)'' کے موضوع پر Ph.D کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

☆ محترم ڈاکٹر شبیر احمد جامی: آپ نے کالج آف شریعہ سے 1997ء میں الشہادۃ العالمیہ کا اعزاز حاصل کیا۔ علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ کے باعث کالج آف شریعہ سے فراغت کے فوراً بعد آپ کو تدریس کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ گذشتہ 18 سال سے آپ نہایت محنت، استقامت اور ذوق وشوق کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ تدریس کے ساتھ آپ نے اپنے علمی وفکری ارتقاء کا سفر بھی جاری رکھا۔ آپ نے ''ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کی اشاعت میں صوفیاء چشت کا کردار'' کے موضوع پر پی ایچ ڈی کا اعزاز حاصل کیا۔

یکم اگست 2015ء کو منہاج یونیورسٹی کے کانووکیشن کے موقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے ان فاضلین کو ڈگری عطا کی اور مبارک باد دیتے ہوئے دعاؤں سے نوازا۔

محترم ڈاکٹر حسن محی الدین قادری، محترم ڈاکٹر حسین محی الدین قادری، جملہ قائدین تحریک، اساتذہ کرام کالج آف شریعہ ومنہاج یونیورسٹی اور منہاجینز کی جانب سے ان قابل قدر فاضلین کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی علمی وفکری استعداد میں مزید اضافہ فرمائے اور انہیں شیخ الاسلام کے اعتماد پر اسی طرح پورا ترتے ہوئے احیائے اسلام اور تجدید دین کے اس مشن مصطفوی کی استقامت کے ساتھ مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت فرید ملت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی تقریب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے والد گرامی فرید ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ کے 41 واں سالانہ عرس مبارک کی تقریب ۱۶ شوال بمطابق 2 اگست 2015ء بروز اتوار بمقام دارالعلوم فریدیہ قادریہ ملحقہ دربار فرید ملت بستی لوہلے شاہ جھنگ صدر میں ہوئی۔ یہ پروگرام محترم صاحبزادہ صبغت اللہ قادری (متولی دربار فرید ملت) کی زیرصدارت اور محترم علامہ حافظ عبدالقدیر (ڈائریکٹر دارالعلوم ہذا) کی زیرنگرانی منعقد ہوا۔

اس پروگرام میں علماء و مشائخ، طلبہ اور عوام الناس کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ محترم محمد جواد حامد (ڈائریکٹر ایڈمن و اجتماعات منہاج القرآن انٹرنیشنل) کی زیر قیادت لاہور سے مرکزی قائدین و کارکنان تحریک اور علماء و مشائخ نے قافلے کی صورت میں اس تقریب میں خصوصی شرکت کی۔ نماز فجر تا ظہر دربار عالیہ پر قرآن خوانی کی گئی۔ نماز ظہر کے بعد دربار شریف کو غسل دیا گیا اور نماز عصر کے بعد درود وسلام کے ساتھ چادر پوشی کی رسم ادا کی گئی۔

نماز مغرب کے بعد محفل ذکر مصطفیٰ ﷺ کا انعقاد کیا گیا۔ جس کا آغاز فخرالقراء محترم قاری نور احمد چشتی کی تلاوت کلام مجید سے ہوا۔ نقابت کے فرائض محترم حافظ محمد حسنین حیدر نے سرانجام دیئے۔ حسان منہاج محترم محمد افضل نوشاہی، محترم محمد سرور صدیق، محترم محمد شکیل طاہر اور منہاج نعت کونسل لاہور نے نعت رسول مقبول ﷺ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے علاوہ جھنگ کے مشہور نعت خواں فریدی نعت کونسل اور دوسرے مقامی مشہور نعت خوانوں نے بھی نعت رسول مقبول ﷺ پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ ثناء خوانی مصطفیٰ ﷺ سے حاضرین کے دلوں میں عشق مصطفیٰ ﷺ کے خوب چراغ روشن ہوئے اور جھنگ کی فضاء ذکر مصطفیٰ ﷺ سے معطر ہوگئی۔

محفل ذکر مصطفیٰ ﷺ کے بعد نوجوان سکالر محترم صاحبزادہ عمر مصطفیٰ قادری نے استقبالیہ کلمات ادا کرتے ہوئے تمام معزز مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا اور فرید ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ کے علمی، فکری اور روحانی مقام و مرتبہ کو بیان فرمایا۔

اس موقع پر علامہ غلام ربانی تیمور نے خصوصی خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ فرید ملت حضرت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ واقعتاً ایک یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ آپ کی شخصیت ایک ایسا کثیر الجہت نگینہ ہے جس کی ہر ہر جہت اپنی آب و تاب اور چمک دمک کے اعتبار سے جداگانہ شان کی حامل نظر آتی ہے۔ آپ جہاں علم وعرفاں کے میدان کے عدیم النظیر شہسوار تھے وہیں بحرِ معرفت کے مشاق شناور بھی تھے۔ جہاں ایک طرف توکل علی اللہ اور فقر و استغناء کی تصویر تھے وہیں زہد و ورع اور تقویٰ وطہارت کے پیکر مجسم بھی۔ ایک طرف ہمہ وقت عشق رسالتمآب ﷺ میں سرشاری و استغراق آپ کا طرہ امتیاز تھا، تو دوسری طرف نسبت غوثیت مآبؓ میں گرفتاری بھی آپ کی پہچان تھی۔ حضرت فرید ملت کو رسالت مآب ﷺ کے ساتھ اس قدر والہانہ عشق تھا کہ ہمہ وقت ماہی بے آب کی طرح آپ ﷺ کی محبت میں روتے رہتے۔ جونہی آپ ﷺ کا اسم گرامی لیا جاتا تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی، زبان ہمیشہ آپ ﷺ کے تذکار جلیلہ سے تر رہتی۔ حضرت فرید ملتؒ نے اپنی پوری زندگی کا ماحصل شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی صورت میں ہمیں دیا۔ جو منتشر ملت کو یکجا کررہے ہیں، دلوں میں حب مصطفیٰ ﷺ پیدا کررہے ہیں اور جن کے نعرہ سے باطل اور طاغوتی قوتوں کے ایوان تھرتھرا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گھرانے کی قدر کرنے اور ان کی سیرت و کردار کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس پرکیف تقریب کا اختتام صلوۃ وسلام اور خصوصی دعا سے ہوا۔

منہاج یونیورسٹی لاہور کانووکیشن 2015

A Blend of Islamic Studies & Modern Science

ADMISSION OPEN

Principal Prof. Dr. Samar Fatima Ph.D(England)

Ex Chairperson/Dean Faculty of Islamic Studies, Punjab University, Lahore

OUR PROGRAMMES

- Intermediate (FA with Sharia)
  F.A., I.C.S, I.COM, G.Sci,
- M.A. Islamic Studies
- M. Phil Islamic studies
- M. Phil Islamic studies
  Specializations in
  Islamic Commercial Jurisprudence
- BS Islamic studies
- BS Islamic Studies
  Specializations in
  Islamic Commercial Jurisprudence
- Uloom-e-Shariah
  Al Shahada-al -Sanawiya
  Al-Sahada-al-Aaliya
  Al-Shahada-al-Aalamiya

Comfortable Hostel Facilities Also Available | Affordable Fee Structure | Scholarship For Brilliant Students

MINHAJ COLLEGE FOR WOMEN, TOWNSHIP , LAHORE

Website : www.minhaj.edu.pk/mcw E-mail: unimcw@gmail.com Phone : 042-35116784-5, 042-35111013

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN
LAHORE

Regd CPL No.41

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا
فروغِ امن اور انسدادِ دہشت گردی کیلئے اِسلامی نصاب